

بنگلہ دیش میں اردو تنقید و تحقیق کی پہلی تصنیف

بنگلہ میں غالب شناسی

پروفیسر کلیم ہسرامی

سالہ اشاعت	یکم نومبر ۱۹۹۹ء
مکتبیت	قاسم انیس، ڈھاکہ
مطبع	برقی آرٹ پریس، پٹوالوی، ڈھاکہ
قیمت	چالیس روپے : بنگلادیش
	چالیس روپے : ہندو پاک
	۴ امریکی ڈالر : دوسرے ممالک

تقسیم کار:

- کلچرل اکیڈمی (شاخ) عہدہ ٹور جیسور روڈ، کھٹا (بنگلادیش)
- بک ایڈیٹریم: سبزی باغ، پتہ ۷۷ (ہندوستان)
- نصرت پبلشرز، امین آباد پارک، لکھنؤ ()
- انجن ترقی اردو، اردو گھر، راتول پور، دہلی ()
- انجن ترقی اردو، بابائے اردو روڈ، کراچی (پاکستان)
- منصور بک ہاؤس عہدہ کچہری روڈ، لاہور ()

کلچرل اکیڈمی

عہدہ، اقبال روڈ، محمد نواز ڈھاکہ۔ ۷
بنگلادیش

انتساب

استادِ محترم ڈاکٹر عنید لیب شادانی

کے نام !

کلیم سہسرامی

پیش لفظ

زیر نظر مجموعہ برہانہ مختصر ہے لیکن پورے ہنگال کی دنیائے ادب کو

اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس میں یہ پانچ مقالے شامل ہیں:

(۱) ہنگال میں غالب شناسی (۲) غالب کے ایک حریف (۳) غالب کے ایک ہنگالی شاگرد (۴) کلام غالب کے ہنگلا تراجم (۵) غالب کے فکر و فن کا تجزیہ۔ پہلا مقالہ غیر مطبوعہ ہے۔ یہ تمام مقالے ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔ ان میں موضوع اور معنی کے لحاظ سے بھی باہمی ربط ہے، اس لئے ایک مستقل کتاب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہنگال کا تعلق غالب سے کیا رہا ہے؟ اس کی تفصیل ان کے مطالعے سے معلوم ہو سکے گی اور یہ انکشاف ہوگا کہ ہنگال میں غالب کے مخالفین ہی ’تھے‘ موافقین معتقدین اور تلامذہ بھی تھے۔

ہنگلادیش میں کتابت و طباعت کی جو دشواریاں ہیں، ان سے ہر منزل پر دوچار ہونا پڑتا ہے اور یہ آسانی حرف ڈھاکے میں محدود طور پر میسر ہے۔ راجشاہی یونیورسٹی میں درس و تدریس کے علاوہ جو وقت ملتا ہے وہ مطالعے اور اس کے بعد حاصل مطالعہ کی تحریر و تدوین میں گزرتا ہے۔ لیکن ہنگلادیش کے قیام کے بعد ایسے احباب کی کمی شدید طور پر محسوس ہوتی ہے، جن سے ادبی و علمی مسائل پر گفتگو کی جاسکے۔

میں یونیورسٹی کے کام سے ڈھاکا آیا ہوا تھا، شام صاحب سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے افسانوں کا پانچواں مجموعہ چھپوا رہے ہیں۔ ان کے اس اقدام سے مجھے بھی اپنی کتاب کی اشاعت کی تحریک ہوئی۔ سوئے کی تصحیح میں ہر امکان کوشش کی گئی ہے۔ لیکن انسانی لغزش سے دامن بچانا ممکن نہیں۔ توقع ہے کہ غالب سے ذوق رکھنے والے حضرات کے لئے یہ کتاب دلچسپی کا باعث ہوگی۔

راجشاہی یونیورسٹی۔ راجشاہی

بنگال میں غالب شناسی

مرزا غالب کی شخصیت جس طرح جاذب توجہ ہے اسی طرح ان کی شاعری قابلِ مطالعہ ہے۔ اگرچہ غالب کی ذات پر ایک سو سال سے زیادہ عرصہ گزرا لیکن اب تک جتنا کچھ ان پر لکھا گیا ہے وہ علامہ اقبال کے علاوہ کسی اور پر نہیں لکھا گیا۔ ہندوستان، پاکستان کے علاوہ روس میں بھی غالب پر جو کام ہوا ہے اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل غالب کی شخصیت کی رنگارنگی، فکر و فن کی توانائی، تخیل کی بلندی، طبیعت کی ندرت اور مزاج کی انانیت میں کچھ ایسی کشش اور جاذبیت ہے جس نے ہر مکتب فکر کے اصحابِ علم و فن کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

غالب کی شخصیت و شہرت اور شاعری و فن کاری نے بنگال کو بھی متاثر کیا۔ جہاں چرانیسویں صدی عیسوی میں خواجہ حیدر جان شائق جہانگیر لکھی اور خواجہ عبدالغفار اختر جہانگیر لکھی غالب کے حلقہٴ تلمذ میں داخل ہو گئے۔ شائق کے نام تو غالب کے فارسی خط سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے، جسے قاضی عبدالودود صاحب مرحوم نے ’آئینہ غالب‘ کے عنوان کے تحت شائع کر دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں تذکرہٴ نسخہٴ دل کش، سراپا سخن،

سہ علمی، میگزین (غالب نمبر) ۱۹۴۵ء وغیرہ غالب کے فارسی خط کی نقل کے لئے پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کا شکر گزار ہوں۔

زگارستان سخن اور سخن شعرا کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے صرف نساخ نے سخن شعرا میں شائق کو غالب کا شاگرد بتایا ہے اور یہ بھی کہ ان کا مختصر مادیوان نساخ کی نظر سے گزرا ہے معلوم نہیں یہ دیوان مطبوعہ تھا یا قلمی، بہر صورت اب ناپید ہے۔ غالب نے اس خط میں شائق کے حسب ذیل تین فارسی شعر پر جزوی اصلاح دی ہے اور معنی خیز توجیہ بیان کی ہے۔

(۱) مسخ زمانیت و جان منست این : ہمانان کہ روح دروان منست این

(۲) میں خون بہا بس بود بعد قسطن : جو گوئی کہ از کشتگان منست این

(۳) نہ پُرسید گلے ز حال درونم : وفای بت بدگمان منست این

پہلے شعر میں غالب نے زمان کو جہان سے بدل دیا اور توجیہ یہ بتائی کہ جہان زیادہ لطیف ہے۔ دوسرے شعر میں جو گوئی کی جگہ بفرما کی ترمیم کر دی اور وجہ یہ بیان کی کہ جو گوئی سماعت پر گراں گزرتا ہے اور شعر کا مفہوم براہ راست سمجھ میں نہیں آتا، تیسرے شعر میں وفای کی جگہ ادائی تجویز کی ہے اور سبب یہ بتایا کہ یہ تسلیم شدہ ہے کہ محبوب بے وفا ہے اس لئے کبھی میرا حال دریافت نہیں کرتا، ایسی صورت میں بت کی صفت بدگمان خوش قیاس ہے۔ دوا کے ساتھ اس کا استعمال درست نہیں۔ اس طرح غالب نے شعر میں نازک خیالی پیدا کر دی۔

خواجہ عبدالغفار اختر کا یہ مقطع تو زبان زد خاص و عام ہے :

داد غالب بھی تجھے دیں گے زباں دانی کی

لے کے اختر جو یہ دلی میں غزل جائے گا

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ہنگال میں غالب شناسی کی بنیاد غالب کے

عہد سے ہی پڑ چکی تھی اور غالب سے ہنگال کے شعراء کی جان پہچان کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اسے غالب کے فکر و فن کی عظمت سے تعبیر کیجئے یا ہنگال کے شاعروں کی خوش نصیبی سمجھئے جس کی بنا پر شاعری کی دنیا میں ہنگال کا رابطہ دلی سے باضابطہ قائم ہو گیا۔

اس کتاب میں خواجہ عبدالغفار اختر پر ایک الگ تفصیلی مقالہ سیر و علم کیا گیا ہے جس سے میرے بیان کی تصدیق اور اختر کی شاعری کا اندازہ ہو سکے گا۔

انیسویں صدی میں بنگالہ نے ایک اور شخصیت پیدا کی جسے آقا احمد علی اصفہانی کہتے ہیں پینتیس سال کی عمر ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ورنہ ان کے ہاتھوں بلاشبہ کچھ اور قابل قدر علمی و تحقیقی کارنامے انجام پاتے۔ عین جوانی کے عالم میں ”قاطع برہان“ کے سلسلے میں غالب سے لگاؤی معرکہ آرائی ہوئی جس کے ثبوت میں ”مؤید برہان“ اور ”شمیر تیز تر“ سے احمد علی کے وسعت مطالعہ کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ اسی کتاب میں اس موضوع پر غالب کے ایک حریف کے عنوان سے ایک مقالہ شریک اشاعت ہے جس کے تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں غالب کے قول کے مطابق ایک دست کی اطلاع پر کہ مؤید برہان کے نام سے ایک صاحب نے ”قاطع برہان“ کا جواب لکھا ہے۔ غالب نے کتاب دیکھے بغیر احمد علی اصفہانی کے خلاف ایک قطعہ لکھ کر اپنی اخلاقی کمزوری کا ثبوت دیا۔ احمد علی کی کتاب کا لب و لہجہ عالمانہ اور محققانہ تھا۔ اور غالب کے قطعے کا انداز بیان ہجو یہ اور طنز یہ تھا۔ مزید یہ کہ اس ادبی نزاع میں احمد علی اصفہانی نے غالب اور ان کے طرفداروں کی فحش نگاری کے باوجود اپنی کتاب ”ہفت آسمان“ میں غالب اور ان کی مشنری پر سنجیدہ اور عالمانہ انداز میں بحث کی۔ اسی ادبی معرکہ میں فدا سلمیٰ کی شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے۔ فدا سلمیٰ مولوی احمد علی کے شاگرد تھے اور انہیں نے غالب کے قطعے کا منظوم قطعے کی صورت میں جواب لکھا تھا۔ فدا کے بارے میں تذکروں میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ وہ اسی قطعے کی بدولت غالب کے مخالفین کی صف میں شریک نظر آتے ہیں۔ ان کا نام عبدالصمد تھا۔

غالب کے ساتھ بنگالہ کے تعلقات میں مزید استواری عبدالغفور خاں نساج خاں

سختی شعراء کے ذریعہ پیدا ہوئی، جنہوں نے اپنا پہلا دیوان ”دفتر بے مثال“ غالب کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا اور غالب نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا کہ

”جناب مولوی صاحب قبلہ! یہ درویش گوشہ نشین جو موسوم بہ اسم اللہ اور متخلص بہ غالب ہے۔ افزائش غایت کا طالب ہے ”دفتر بے مثال“ کو عطیہ کبریٰ اور موہبت عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا احسان مانا۔ میں دروغ گو نہیں، خوشامد میری خوشنہیں، دیوان فیضی عنوان اسم با مستحق ہے۔ ”دفتر بے مثال“ اس کا نام بجا ہے۔ الفاظ متین، معانی بلند، مضمون عمدہ، بندش دل پسند، شیخ امام بخش طرز جدید کے مؤجد اور پرانی نامور روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ ان سے بڑھ کر بھید، مبالغہ، بے مبالغہ نساخ ہیں نظم و نثر فارسی کا عاشق اور مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغِ اصغہانی کا گھائل ہوں۔“

سرزمین جنگال سے ایک مدت تک مولانا ابوالکلام کی وابستگی رہی ہے، ان کی ذہانت، مطالعے کی وسعت اور حافظے کی قوت قابل رشک تھی۔ مولانا غلام رسول جبر کے نام ان کی جو تحریریں ”نقشِ آزاد“ کے حصہ دوم میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی نظر سے غالب کی تین تصویریں گزری ہیں۔ حالی کی یادگار غالب ہیں جو تصویر چھپا ہے اس کی حقیقت نشی رحمت اللہ رحمت نے مجھ سے بیان کی کہ

لے خطوط غالب مرتبہ غلام رسول جبر (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ۱۹۶۲ء ۵۹۰ صفحہ ۵۹۱
 نے اشارہ ہے آقا احمد علی اصغہانی کی طرف، جنہوں نے قاطع برہان کے سلسلے میں غالب کی معرکہ آرائی
 ہوئی تھی۔ سہ نقشِ آزاد، غلام رسول جبر (کتاب منزل لاہور) ۱۹۵۹ء ۲۵۹ صفحہ ۳۲۷

انہوں نے تینوں کو پیش نظر رکھ کر ایک چوتھی تصویر اپنے تخیل کے مطابق تیار کی۔ اس سے غالب کی اصل صورت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا مولانا نے برسیل تذکرہ غالب کے استاد ملا عبدالصمد پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ فارسی زبان کے عبول و قواعد اور سنسکرت اور قدیم فارسی کا باہمی رشتے کا راز بھی اس پر کھل چکا تھا میرے خیال میں محققین میں اب بھی یہ اختلاف ہے کہ واقعی ملا عبدالصمد کسی فرضی شخصیت کا نام تھا۔ مرزا غالب نے اپنی علمی استعداد کی تصدیق کے لئے اسے انسانی وجود بخشا تھا۔ مولانا آزاد پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ بتایا تھا کہ دساتیر کی حقیقت عبدالصمد پر بھی نہیں کھنی تھی۔ حال آنکہ یہ سرتا سر جعل و اختراع ہے اور قطعاً ظہور اسلام کے بہت بعد لکھی گئی ہے۔ اس کا محض بناؤنی اسلوب ہے جس میں پرانے الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں۔

”نساخ اور مرزا غالب“ کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ بقول نساخ..... کلکتہ میں مرزا غالب کا ملنا جلنا زیادہ تر ایرانیوں سے رہا اور انہوں نے پوشش و لباس میں بھی ایرانی وضع اختیار کر لی۔..... نساخ کے کلام کے متعلق لکھتے ہیں، شیخ امام بخش طرز قدیم کے نساخ تھے آپ بلا مبالغہ بصیرت و مبالغہ نساخ ہیں۔ حالانکہ ان کا پورا کلیات تمام تر مزخرفات سے لبریز ہے ایک مصرع بجز ایسا نہیں مل سکتا جس پر غالب کی یہ بے معنی مداحی صادق آ سکے۔ مولانا شبلی کا خیال تھا کہ غالب نے یہ رقعہ لکھ کر انہیں بتایا تھا لیکن یہ یاد نہیں کیا جاسکتا نساخ ڈپٹی کلکٹر تھے ان کی سفارش سے ممکن ہے مقصد حاصل ہو سکے۔ مولانا نے کلکتہ میں غالب کی قیام گاہ کی نشاندہی محمد شملہ بازار میں کی ہے۔ یہ چیت پور روڈ کے اس حصے میں تھی۔ جو بعد کو گینڈا نالاب کے نام سے مشہور ہوئی۔

کلکتہ میں غالب کے خلاف جو ادبی ہڑکام ہوا اس کا بیان مولانا آزاد نے تین نام بتائے ہیں، برنس غلام محمد (میسور) کے میر منشی احمد علی، دوسرے مدیر عالیہ

کے مدرس احمد علی (اصفہانی) تیسرے گورنر جنرل کے دفتر انشا کے ملازم مولوی وجاہت علی مکھنوی شاگرد قتیل۔ آقا احمد علی اس وقت پیدا نہ ہوئے تھے۔ مولانا کو مصدقہ اطلاع نہ دی گئی۔

نواب کلب علی خاں جب والی رام پور ہوئے تو یہ مشہور ہوا کہ سخت سستی ہیں اگرچہ غالب کا وظیفہ جاری تھا لیکن انہوں نے اس فحش کو دور کرنے کے لئے یہ قطعہ کہا تھا۔

ہند میں اہل تسنن کی ہیں دو سلطنتیں : حیدر آباد دکن / رشک گلستانِ ارم
رام پور اہل نظر کہ ہے نظر میں وہ شہر : کہ جاں بہشت بہشت آگے ہوئے ہیں باہم
حیدر آباد بہت دور ہے اور ملک کر لوگ : اس طرف کو نہیں جلتے ہیں جو جاتے ہیں تو
غدر کے ایام میں شعرا کو حکم ہوا کہ عید کے موقع پر تہنیت کے قصائد پیش کریں غالب نے ایسا کیا ہو گا۔ البتہ دو قصیدہ اور ایک اردو قطعہ انہوں نے ضائع کر دیا۔ غالب کی مصلحت پسند یہ کہنے یا سرکار پرستی کہ غدر کے بعد جب دربار ہوا تو پیری کے باوجود دو آدمیوں کے ہمارے انہوں نے لفٹیننٹ گورنر کو زرافشاں کا غلہ پرایا، تہنیتی رباعی پیش کی تھی۔ مولانا نے حافظے پر اعتماد کرتے تھے اس لئے انہیں مغالطہ ہوا۔ یعنی صفر بلگرامی آرو کی دلی میں غالب سے ملاقات ہو انہوں نے غلام حسین قدر بلگرامی سے منسوب کر دیا ہے۔ مولانا کا یہ خیال بھی نظر ثانی کا محتاج ہے کہ صفر کا "جلوہ خضر" محض بے معنی ہے۔ اردو ادب میں تاریخی اور لسانی حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ذوق سے فرمائش کی کہ اردو کا سب سے بہتر شعر سنناؤ، پھر تامل کے بعد ذوق نے غالب کا یہ شعر پڑھا۔

دریائے معاصی تک آبی سے ہوا خشک : میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
مولانا آزاد نے غالب کے آخری دور کے ایک شاگرد نادر شاہ خاں شوخی کا تذکرہ بھی کیا ہے شوخی رام پور کے باشندہ تھے۔ کلکتہ کی مشہور طوائف گوہر جان سے نواب میر حسن خاں کا تعلق تھا۔ انہیں نے رقیبوں سے پاسبانی کے لئے شوخی کو کلکتہ میں متعین کر رکھا تھا۔ ان کے

اس شعر کا حوالہ دیا ہے۔

ہوئی شوقی جو حجت واصل میں اس ماہِ بیکر سے

گو ابھی ہم نے دلوا دی 'شکن' آلودہ بستر سے

میسرینِ حدی کے آغاز میں خان بہادر رضا علی وحشت کھٹکوی جیسا پرستار
غالب بنگال میں دارِ شعر و سخن دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ وحشت کا پہلا دیوان مکتوبہ ۱۹۱۸ء
کا مطالعہ کیجئے تو اول سے آخر تک وحشت کے کلام میں غالب کی زمینِ غالب کی ترکیب اور
غالب کے مضمون و موضوع کی شمولیت سے حیرت ہوگی کہ یہ شاعر کس قدر غالب کے رنگ میں
ڈوبا ہوا ہے جس کی داد مولانا حالی اور حسرت موہانی بھی دینے بغیر نہ رہ سکے۔ وحشت
نے نظم کی صورت میں غالب کے فکر و فن کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس نظم کے دوبارہ نقلی
بند پیش ہیں۔

نیم صبح گاہی ہے کلام جانِ فزا تیرا دلوں کو جو غمی میں لاتا ہے رنگ آشنا تیرا
بہارِ ستانِ مضمول ہے خیالِ مکہ نا تیرا فروغِ طبع کی معرکہ ہے فکرِ رسا تیرا
ترا دیوانِ غالب، دفترِ نازکِ خیالی ہے

ترا پا یہ سخنِ دانانِ ہندوستان میں عالی ہے
ظہورِ رکا ہو کہ طاب تیرے دل کا راز کیا سمجھے ادا دانی کو تیرے عرفی خمیرا ز کیا سمجھے
حزین یہ خمیو کہ فکرِ چین پر داز کیا سمجھے تیری ترکیب کیا جانے ترا انداز کیا سمجھے
ہوا ہے رنگِ افزا ہے عجمِ ہندوستان تجھ سے ملے
بنی یہ سرزمینِ رقی کی گویا اصفہانِ تجھ سے

ڈاکٹر عبدالرشید انبی مرحوم صدر شعبہ اردو فارسی ڈھاکہ کالونیورسٹی کا مقالہ مرزا غالب
اور دوسرے غالب، ایک نئے زاویہ نظر نگہِ محجب انداز سے سپردِ قلم کیا گیا جس میں انہوں

نے غالب فخلص کے دس شاعروں کا حال مختلف تذکرہوں کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ ان میں سے کچھ غالب کے معاصر تھے اور کچھ غالب کے بعد سے پہلے گزر چکے تھے۔ چنانچہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مرزا غالب کو اس کا علم نہ ہو، اس سلسلے میں ڈاکٹر شادانی فرماتے ہیں:

”یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جو شخص ہر معاملے میں اپنی انفرادیت اور شان امتیاز کو باقی رکھنا چاہتا تھا، جس نے اپنے خیالات کی جدت و ندرت پر ہمیشہ ناز کیا۔ اس نے فخلص کے معاملے میں کسی جدت کا ثبوت نہیں دیا۔“

ڈاکٹر شادانی کے خیال میں مرزا غالب کی اہمیت و مقبولیت کی بنا پر ان کا غیر مطبوعہ کلام تلاش و جستجو کے بعد آٹھ دن رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ جسے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جو مرزا غالب کا کلام نہیں مگر کسی اپنی معلومت کی بنا پر اسے غالب کے نام سے منسوب کر دیا۔ دوسرے وہ جو مرزا غالب کا کلام ہے اور تیسرے وہ جو کسی اور غالب کا کلام ہے مگر مرزا غالب کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ چونکہ لوگ عام طور پر کسی دوسرے غالب سے واقف نہیں اس لئے جو غیر مطبوعہ کلام انہیں غالب کے نام سے ملتا ہے اسے وہ مرزا غالب کے نام سے منسوب کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر (۱۹۴۹ء) سے ایک غیر مطبوعہ غزل پیش کی ہے جو تذکرہ ”دیوان جہاں“ مصنفہ، یعنی نرائی جہاں میں نیاز بیگ خاں کے بیٹے غالب دہلوی سے منسوب ہے۔ اس لئے ہر غیر مطبوعہ کلام کو بعض ظن و قیاس کی بنا پر مرزا غالب کا کلام سمجھ لینا تحقیق کی روش کے منافی ہے اور یہ غیر مطبوعہ کلام مرزا غالب سے منسوب کرنے سے قبل غالب فخلص کرنے والے دوسرے شعرا کا طرف بھی توجہ دینی چاہیے تاکہ غلطی کا امکان نہ رہے۔

”مرزا غالب پر عندلیب شادانی صاحب کا بے جا الزام کے عنوان سے ایک جوابی

مضمون ملتا ہے جس پر لکھنے والے کا نام مشیر درج ہے۔ دراصل ڈاکٹر خدادانی نے ایران کی امر و برستی کا اثر اردو شاعری پر لکھا تھا اور اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اردو شاعری سے صرف غالب کے اشعار پیش کئے تھے۔ مقالے کا انداز لہجہ کا پھلکا یا استہزائی تھا اس لئے ان کے قلم کا نشاۃ اتفاق سے مرزا غالب بن گئے۔ مضمون نگار کو یہ تمسکایت ہے کہ شعر کو صحیح طور پر سمجھنے کے بجائے شادانی صاحب نے اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے جس سے غالب کی شخصیت مجروح ہوئی ہے۔ بقول ڈاکٹر شادانی:

”مرزا نے اس آہرو باخہ معشوق کے ہاتھوں اپنے قتل کا واقعہ بہت تفصیل سے لکھا ہے“ ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں : جب تو ہی خیر آزمائے ہو
 کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے تو یہ : ہائے اس زور و شیمان کا پیشیاں ہو نا
 ڈاکٹر اختر نام مشرقی زبانوں کے علاوہ مغربی زبانوں کے بھی فاضل ہیں پہلے کلکتہ یونیورسٹی کے شعبہ عربیہ سے وابستہ تھے پھر سری لنکا میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔
 اب درس و تدریس سے سبکدوش ہو کر وہیں سکون کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کا خیال انگریز علمی اور ادبی مقالہ کلکتہ کے دوران ملازمت میں غالب کا زکا و خاندانہ کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ انہوں نے یورپ کے تصویر نویسوں میں ادبی مصوری کا مطالعہ کیا اور رنگارنگ تصویریں پر مبنی نقطہ نظر سے غور بھی کیا۔ لیکن ہندوستان واپس آکر غالب کے نگار خانہ سمجھ میں ایسی دلکش تصویریں ملیں جن سے ان کے ذہن میں جلا پیدا ہو گئی۔ مثلاً مرزا کا یہ مطلع پیش کرتے ہیں:

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے : جو شمس قدح سے بزم چراغوں کے ہوئے
 پہلے مصرع میں محبوب کو مدعو کرنے کی لطیف تمنا پوشیدہ ہے مگر دوسرے

ہیں جو بزم آرائیوں کے لئے اہتمام کیا جا رہا ہے اس کا جواب اردو نواز دو فارسی اور تمام آریائی زبانوں میں مشکل سے مل سکے، کم از کم المانوی، فرانسیسی اور انگریزی ادب میں تو اس نوع کا کوئی تصور پیش نہیں کیا جاسکا۔ سرخ انگوری شراب جو "یار" کی طرف بڑھائی جائے گی اس کے ذریعے بزم اس طرح جگمگا اٹھے گی جیسے بیسوں چراغ قریب سے جھلسلا رہے ہوں۔ پھر "جوش قدح" نے تصور کو جو پرواز بخشی ہے وہ توضیح سے بے نیاز ہے شراب کے رنگ رنگ جلوؤں کو غالب نے جس طرح دکھایا ہے اندھے بے ہم و داعی نشاط حاصل کرنے لگتے ہیں۔

موجہ گل سے چراغاں ہے گرد رنگہ خیال : ہے تصور میں زمیں جلوہ منسا موج شراب
بہار کی شان میں دنیا کے تقریباً تمام شعرا نے رنگ برنگ کے گل کھلائے ہیں اور جہاں کہ محاکات کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ فارسی میں حافظ اور نظری عربی میں الصنوبری اور ابی زیدوں، انگریزی میں درڈ سوتھ اور کیس، المانوی میں گٹے اور شلر اور سنسکرت میں کالی داس اور بھوتی نے بہار یہ مناظر دکھائے ہیں ان کا عطر غالب کا ایک شعر قرار دیا جاسکتا ہے۔

ہے جوش گل بہار میں یاں رنگ کہ ہر طرف : اڑتے ہوئے الجھتے ہیں مرغ چمن کے پاؤں
بہار کی محسوس فضا میں مرغ چمن جو اڑنا چاہتا ہے تو رنگارنگ پھولوں اور شاخ و رشخ
سیلوں میں الجھ جاتا ہے۔ غالب کہتے ہیں "موس سے ناعرض واں طوفان تھا موج رنگ کا"
علامہ ابن عربی نے "قراضة الذهب" اور "العمدة" میں متحرک تشبیہوں کو صنف شاعری میں ایک خاص اہمیت دیکھی ہے۔ چنانچہ موج رنگ کے تصور نے غالب کے شعر کو جو اہمیت بخشی ہے اس نے انہیں دنیا کے بڑے شعرا کی صف میں ایک ممتاز جگہ دی ہے۔

"غالب اور امیر کے عنوان سے جناب قربان علی عطری کا ایک مضمون کلکتہ میں شائع

ہوا تھا۔ اس میں غالب اور امیر سیاقی کے ہم معنی اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے لفظی و معنوی موثر کافی سے کام لیا گیا ہے۔ دونوں شعرباش ہیں :

کوئی میرے دل سے پوچھے تب تیرے غم کش کو
یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا (غالب)

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چسپائی
وہی تیر کیوں نہ سارا جو جگر کے پار ہوتا (امیر سیاقی)

عصری صاحب کے خیال میں غالب کا پہلا مصرع صرف مکمل ہی نہیں مؤثر بھی ہے۔ اس کے مقابل امیر کا پہلا مصرع مکمل تو ہے لیکن اس میں کڑھکیا ہے (توجہ سمجھ میں نہ آئی) غالب نے مصرع ثانی میں پہلا مصرع کے مفہوم کو وسعت دیتے ہوئے مزید اثر کا اضافہ کیا ہے۔ امیر پہلے مصرعے کو مد نظر رکھتے ہوئے اس تیر کے متمنی ہیں جو جگر کے پار ہوتا۔ اس مصرعے میں وہ نزاکت نہیں ہے جو غالب کے شعر کے سر لفظ میں ہے۔

عصری صاحب کا دوسرا مضمون اسی اسالی میں "غالب" کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوا ہے اس میں انہوں نے غالب کا یہ شعر سر عنوان قرار دیا ہے :
پوچھ مت رسوائی انداز استخائے حسن : رستہ مہجور ہزار خسار رہیں غنازہ تھا
وہی ان غالب کے کسی شاعر سے اس شعر کے مفہوم میں عصری صاحب نے اختلاف کیا ہے اور اپنے مطلب کی تصدیق کے لئے غالب کے دو شعروں سے مدد لی ہے لیکن ان کا بیانیہ اختلاف کچھ نہ ہو گیدے کے اصل مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر حفیظ فائق جو ڈھاکہ کا یونیورسٹی کے ایک دشمن خیال استاد اور اپنے تنقیدی زاویہ نظر اور نکتہ انگیز مضامین کی وجہ سے موجودہ نقادوں میں قدرۂ منزلت کی نگاہ سے

دیکھتے جاتے ہیں۔ غالب کی شاعری کے دلدازہ ہیں۔ انہوں نے اپنے منہوں پر پتھون غالب
 میں غالب کے کلام کا تجزیہ بڑے حسن و خوبی سے کیا ہے۔ ان کے خیال میں غالب اردو کے
 عظیم ترین شاعر ہیں ان کے ہر بیان کی توانائی اور نگرانی گہرائی ہے۔ ان کی شاعری کا مطالعہ
 کیا جائے تو بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے کلام میں آفاقیت پائی جاتی ہے اور اس سے
 غالب کے نئے ذہنی افق کا پتا چلتا ہے۔ ان کی شاعری میں ماضی کے تہذیبی ورثے کی
 گونج، حال کے تاریخی شعور کی جھلک اور مستقبل کے امکانات کے نقوش ملتے جلتے ہیں ان کی شاعری میں کلاسیکی
 کی بولچھوٹی اور بانی نظری شاعرانہ قدر و قیمت کا تعین کرتی ہے ان کی شاعری میں کلاسیکی
 اقدار کا حسن سمٹ آیا ہے۔ لیکن دوسرے دور کے پیش رو بھی ہیں۔ ان کے کلام کی شاعری
 اور تفاسات منہیہ تہذیب کا ایک پر تو ہے۔ غالب نے بیک وقت اسلام کی تہذیبی روایات
 اور ایرانی تمدن و ثقافت سے اکتساب و استفادہ کیا ہے۔ وہ اپنے عہد کے ایک اہم فارسی
 ہی نہ تھے بلکہ فارسی شاعری پر گہری نظر بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے مشکطی کی طرح زندگی
 کے تضادات کو پیش کیا ہے، ان کے ہر حرف حقائق کا منہات بادہ و ماسخر کی اصطلاحوں
 میں بیان ہوئے ہیں۔ غالب نے موت و حیات، وحدت و کثرت، حسن و عشق، خیر و شر
 حقیقت و مجاز اور انسان و ماحول کے تضاد و کشمکش سے شاعرانہ صداقتوں کا خیر لیا ہے۔
 ڈاکٹر جاوید نہسال (سابق صدر شعبہ اردو، مولانا آزاد کالج، کلکتہ) نے غالب
 کا کلکتہ سے رشتے کے عنوان سے ایک دلچسپ مقالہ تحریر کیا ہے۔ اس مقالے میں بیشتر وہی
 باتیں بیان کی گئی ہیں جو غالب کے سفر کلکتہ سے متعلق ہیں۔

غالب نے اپنے احباب کو خط لکھتے وقت بھی کلکتہ کی مدح سرائی کی ہے۔ لیکن
 مدر مرعالیہ کے مٹا کرے میں غالب پر جو اعتراضات کئے گئے تھے ان سے ان کے دل پر جو کچھ

ڈاکٹر طیف فوق کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے حال ہی میں سیکورڈ ہوئے ہیں۔

مثبت قدریر (دبستان مشرق ڈھاکا) ۱۹۹۹ء تا ۱۹۹۷ء

۱۵۹ ۱۱۲ ۱۱۱ ۱۱۰ ۱۰۹ ۱۰۸ ۱۰۷ ۱۰۶ ۱۰۵ ۱۰۴ ۱۰۳ ۱۰۲ ۱۰۱ ۱۰۰ ۹۹ ۹۸ ۹۷ ۹۶ ۹۵ ۹۴ ۹۳ ۹۲ ۹۱ ۹۰ ۸۹ ۸۸ ۸۷ ۸۶ ۸۵ ۸۴ ۸۳ ۸۲ ۸۱ ۸۰ ۷۹ ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵ ۷۴ ۷۳ ۷۲ ۷۱ ۷۰ ۶۹ ۶۸ ۶۷ ۶۶ ۶۵ ۶۴ ۶۳ ۶۲ ۶۱ ۶۰ ۵۹ ۵۸ ۵۷ ۵۶ ۵۵ ۵۴ ۵۳ ۵۲ ۵۱ ۵۰ ۴۹ ۴۸ ۴۷ ۴۶ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰ ۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

گئے وہ ناقابل برداشت تھے۔ کلکتہ میں ادبی تناسل کے درجے سے غالب کے نئی فطرت کی اچھی خاصی تعریف پیدا ہو گئی تھی کیونکہ شعراء ادب کی دنیا میں وہ فطرت کے مقتدر تھے اور غالب قتل کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ لیکن یہیں مولوی سراج الدین جیسا خاص دوست بھی غالب کو مل گیا جس نے ان کی مدافعت اور دلجوئی کی۔ غالب اپنی نفاست پسند طبیعت اور مزاج کی انایت کے باعث کلکتہ میں قیام کرنے کے باوجود صرف شعراء اور خواص کے طبقے سے ملتے تھے۔ انہوں نے کبھی عوامی تقریب میں شرکت نہ کی، ناضل مقالہ نگار کے خیال میں غالب نے مناسخ کے دیوان "دن پرے مثال" کی رسید کے طور پر جو خط لکھا اور اس میں مناسخ کی شاعری اور سخن کی جو مدح سرائی کی وہ ان کے کردار کا ایک کمزور پہلو ہے جو ان کی فطرت اور مزاج کے منافی ہے۔ ڈاکٹر عابدیہ نہال نے اس مقالے میں کچھ ایسی باتیں بھی کہیں ہیں جو نظر ثانی کی محتاج ہیں۔ اور بعض کی بنیاد تو صرف مفروضے پر ہے مثلاً:

(۱) انہوں نے کھلے کہ کلکتہ کے معترضین کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کو غالب نے "بادی الخ" جیسی مشنوی لکھی۔ یہ درست نہیں۔ دراصل یہ مشنوی غالب نے فخلص احباب کے مشورے پر اپنی صفائی بیان کرنے کے لئے لکھی تھی۔ اس کا مقصد فن لطیفین و معترضین کے سنگسار کو روکنا تھا۔

(۲) غالب کلکتہ کا دوسرا سفر کرنا چاہتے تھے۔ لیکن عسرت دامگیر ہوئی۔ فاضل مقالہ نگار کی اس تحریر کی کسی اور ذریعہ سے تائید نہیں ہوتی (۱۲۲-۱۲۸) یہ خیال بھی صحیح نہیں۔

(۳) "قاطع برہان" کلکتہ کے ادبی معرکے کے جواب میں لکھی گئی۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں۔^{۱۳۵} دراصل کلکتہ کا ادبی معرکہ ۱۲۸۵ء میں ہوا اور "قاطع برہان" کی شاعت ۱۲۸۶ء میں ہوئی۔ (۴) غالب ۱۹ نومبر ۱۲۸۵ء میں کلکتہ آئے اور ۱۴ اگست ۱۲۸۶ء تک یہاں رہے۔ اس طرح غالب کے قیام کلکتہ کی مدت تقریباً نو مہینے دو دن ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب

نے تین جگہ یہ لکھا ہے کہ غالب کھلکے میں ڈیڑھ سال رہے (۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱) یہ بیان بھی نظر ثانی کا محتاج ہے۔

(۵) فاضل مقالہ نگار کے بقول غالب کی آمد اور ادبی مزاج سے کھلکے کا ادبی ماحول نکھر گیا اور معیاری ادب کی تخلیق ہونے لگی۔ اس طرح کھلکے کو اردو ادب میں بین الاقوامی شہرت حاصل ہو گئی گو یا غالب کے ورود کھلکے سے پہلے یہاں غیر معیاری ادب کی تخلیق ہوتی تھی اور غالب کھلکے نہ آتے تو اسے اردو ادب میں بین الاقوامی شہرت حاصل نہ ہوتی۔ غالب کے دور میں اردو ادب میں الاقوامی ادب ہی کب تھا جو کھلکے کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوتی (۱۲۵)

(۵۶) غالب (شہر نگاران کی رنگینیوں اور نازنین بہان خود آرا کے جلوؤں، دمنواز اشاروں اور ریشی مسکراہٹوں میں پیشی کا غم، احتراض کی تانیاں اور مخفیات کی تلخ کلامیاں سب کچھ بھول گئے تھے (۱۲۱) اگر ایسا ہوتا تو خود ہی بقول فاضل مقالہ نگار غالب "بار محالفا" اور قاطع ہر ہاں کیوں کہتے۔

(۵۷) کھلکے میں غالب سے نسخ کا غائبانہ تعارف مولوی مہراج الدین کی راسطیج ہوا تھا۔ (ب) جس وقت غالب کھلکے میں سکونت پذیر تھے، نسخ بھاگل پور میں تھے (۱۲۷) دونوں باتیں بے بنیاد ہیں اس لئے کہ نسخ کی پیدائش ہی اس وقت نہ ہوئی تھی وضاحت کے لئے یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ نسخ ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے اور غالب کھلکے ۱۸۲۸ء میں آئے تھے۔

(۵۸) غالب کھلکے میں محبوب جفا پیشہ کا دل ڈھونڈتے رہے، مگر دل نہیں ملا کیونکہ یہ فولادی دل تھا کسی بات سے نہیں بسیجتا تھا اور دلی میں وہ اس کی یاد میں اپنے سر پر پتھر مارتے تھے۔ (۱۲۷) موصوف نے غالب کے ان اشعار کا ترجمہ کر دیا ہے۔
گفتم ایوان جگر ولی دارند گفت دارند لیک از آہن

گفت از ہمداد آمد ام ۔۔ گفت بگریز و سر بر سنگ بزن

غالب نے جو بات شاعرانہ انداز میں کہی تھی، فاضل مقالہ نگار نے نثر میں اس کے حسن کو غایت کر دیا۔ غالب کے محبوب نے سر کو پتھر پر پٹکنے کا مشورہ دیا تھا اور ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھ دیا کہ غالب سر پر پتھر مارتے تھے۔ جیسے شاعری کے علاوہ ان کا بس یہی شغل تھا۔

ڈاکٹر جاوید نہال کا ایک اور مختصر مقالہ ”غالب کا ایک شعر“ کے عنوان سے مجلہ ”دستاویز کلکتہ“ میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کے خیال میں غالب ایک عہد آفریں شاعر ہے جس کی آنکھوں میں انقلابات زمانہ دو کیے۔ اور جس نے مشرق اور مغرب کی قدروں کا امتزاج سے اپنی شاعری کو پر دان چڑھایا۔ غالب کی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دور کی شاعری ظہوری اور بیدل کے زیر اثر پیچیدہ اور ناقابل فہم ہے دوسرے اور تیسرے دور کی شاعری میں غالب کی انفرادیت چھلکتی ہے۔ زیر بحث شعر اسی دور سے متعلق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ غالب کے بنیادی ادبی رویے میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی۔ جس کی وجہ سے بعض مادہ اشعار کے مفہوم تک ذہن کی رسائی برآسانی نہیں ہوتی ہے۔ جیسے

وہ اور آرائش خم کا کل : میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

اس شعر میں غالب کی ندرت ادا نے ایسی جمالیاتی حیثیت اور کیفیت پیدا کر دی ہے جو صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔ محبوب آئینے کے سامنے کھڑا ہوا جسے ستور نے من کچھ اس طرح خوبے جس سے شاعر کے دل میں یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس بے وقوف کی قور قیب کی قیمت جاگ اٹھے گی۔ یہ شعر صرف سہل مستع کی ایک اچھی مثال ہی نہیں بلکہ غالب کی معنی آفرینی کا ایک نمایاں ثبوت بھی ہے۔ یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب کے واضح ذہن اور شگفتہ اسلوب تحریر کا نمود ہے۔

پروفیسر شاہ مقبول احمد (سابق صدر شعبہ اردو مولانا آزاد کالج، کلکتہ) ان بزرگوں میں ہیں جو بڑی خاموشی سے ادب کا مطالعہ فرماتے ہیں اور موقع موقع سے اپنے خیالات کو مضمون کی شکل دیتے ہیں۔ قدیم ادیب کے دلدادہ کم سخن اور گوشہ نشین ہیں لیکن مغربی ہنگام میں ان کے شاگردوں کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی جو توسیع و اشاعت ہو رہی ہے اس کے لئے ان کی شخصیت قابل احترام ہے۔ موصوف کی تحریروں کا مجموعہ ”تھیجیات اشارات“ کے نام سے ۱۹۵۹ء میں کلکتہ ہی سے شائع ہوا۔ اس میں غالب کے ”دو شعر“ کے عنوان سے ان کا ایک مختصر مضمون شامل ہے انہوں نے غالب کے ان دو شعروں کی ادبی اور فنی نقطہ نظر سے وضاحت کی ہے۔

ہوئے مر کے ہم جو رہ سوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ہوس کو ہے نشاط کار کیا
دہر مرنے کو جینے کا مزہ کیا

مضمون کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ اہل نقد کے نزدیک یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ غالب کسی مربوط و مسلسل نظام فکر کے خالق نہ تھے جو ان کی دنیا کے افکار کو بہ تمام و کمال اپنے احاطہ و تحیل میں لئے ہوئے ہو اور اس کی مراحت و وضاحت کا ترجمان ان کا سرمایہ سخن ہو۔ ”مختلف“ موضوعات جو اردو شاعری کے علامہ اور دو عنوانات ہیں غالب کی شامراہ شاعری کے نشانات منزل معلوم ہوتے ہیں۔ انفرادیت بھی ایسی خصوصیت نہیں جس کو صرف غالب کے لئے کے ساتھ بطور خاص مخصوص کیا جاسکتا ہو۔ پروفیسر صاحب کی اس تحریر سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالب کی عظمت و انفرادیت کے قائل نہیں اگرچہ یہ درست ہے کہ غالب کے یہاں کوئی مربوط و مسلسل نظام فکر نہیں، یہ تہمیدی

سطح پر تھیں۔ موصوفہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "غالب اگر روایت پرست نہیں تو آسادۂ بغاوت قسم کے روایت شکن بھی نہ تھے۔۔۔۔۔ اپنے جہد کے معاشرے میں جاری دساری عقائد و افکار اور میزان و اقدار ہی غالب کے قصہ تحلی کی اساسات و کائنات معلوم ہوتی ہے۔" بایں ہمہ یہ امر غور طلب ہے کہ غالب کے فکر و فن کی کون سے ضرورت حال میں جو چہ ضرورتاً اردو میں ان کو نشانات و امتیاز عطا کرتے ہیں اور ان کے زریعہ انکار پانے آپ درنگ کے اعتبار سے "در انجمن تنہا" کی مثال معلوم ہوتے ہیں۔ اصل میں غالب کے افکار کے پس پردہ ایک ایسا باغ شعور اور پختہ ذہن کا درخت نظر آتا ہے جو دنیا کے ادب میں ان کی دیہ قدامتی کا باعث ہے۔ خیالات و افکار کچھ ایسے سانچوں میں ڈھل گئے ہیں اور مناسب و موزوں الفاظ میں اداس ہو گئے ہیں کہ زمان و مکان کی قیدوں سے آگے نکل کر ابدیت کے احاطہ گیر ہو گئے ہیں۔ غالب کے مذکورہ بالا اشعار کی تشریح و توضیح میں شاہ صاحب نے جو موثر نگاشتی اور نکتہ آفرینی فرمائی ہے، اہل نقد و نظر کے لئے اس میں مزید نکتہ سمجھی کی گنجائش ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ غالب کے عہد، معاشرے، فکر و فن اور ذہن و شعور کے متعلق مختصر مگر جامع نوچرچا اظہار خیال کیا ہے وہ قابل توجہ اور لائق غفلت ہے۔

ڈاکٹر عبد الرؤف کلکتہ یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے سابق ریڈر خاں میونس طبع منکر المزاج مگر اردو ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اپنے موضوعات پر سنجیدگی سے غور و فکر کرتے ہیں اور زبان و بیان کی لطافت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے مضامین کا مجموعہ "تلاش معیار" ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں غالب سے متعلق دو مضامین ہیں "ایک" غالب اور سر سید احمد خاں "دوسرا" میان غالب کا ایک پہلو۔

پہلے مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ غالب کی عمر اگرچہ سر سید سے بیس سال زیادہ

تھی۔ لیکن دونوں میں قدر مشترک بھی تھی یعنی مذہبی عقائد پر کڑی نکتہ چینی اور انقلاب
اصلاح معاشرہ کی طرف دونوں کا رویہ ایک ہی تھا۔ مستقبل کی دنیا کے بارے میں دونوں
کا زاویہ نظر ایک تھا، البتہ سماجی زندگی بسر کرنے میں غالب اور سرسید کا طریق کار مختلف
تھا۔ سرسید نے آداب معاشرت اور رسم پرستی پر فربہ لگائیں اور غالب غیر شعوری طور
پر اس تمدن سے چمٹے رہے جو اپنی آب و تاب کو کرب غروب ہونے والا تھا۔ غالب کا
سماج کے جس طبقے سے تعلق تھا وہ تادم آخر اس کے پابند رہے۔ لیکن شاعری کے باب میں
روایات کی تقلید کو ایک بے معنی سی چیز سمجھتے رہے۔ یہی سبب ہے کہ اردو شاعری کی تاریخ
میں ایک شاعر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا لب و لہجہ اور زبان و بیان غالب کا سا ہو۔
سرسید نے بڑی محنت و کاوش سے آئین اکبری کی تصحیح کی اور غالب کے پاس تقریظ
لکھنے کے لئے بھیج دی۔ غالب نے مشنوی کی صورت میں تقریظ لکھ دی۔ مشنوی کے خاتمے پر
سرسید کی ذات گرامی سے غالب نے اپنی نیا دمندی کا یوں اظہار کیا ہے۔

درجہاں سید پرستی دین تست ۱۰۔ از ثنا بگزرد دعا آئین تست

اس کے باوجود جانے کیوں انہوں نے آئین اکبری میں اسے شامل نہیں کیا۔ اس لئے ایک نمبر
کو بقول حاتی حجاب و امن گیر ہو گیا تھا۔ غالب جب رام پور سے واپس جا رہے تھے۔
تو مراد آباد کی سرائے میں مقیم ہوئے۔ سرسید کو اطلاع ملی تو وہ انہیں اپنا مہمان بن کر
لے گئے۔ اور غالب کی شراب کی بوتل ایک کوٹھری میں رکھوا دی۔ غالب کو جب بوتل کی تلاش
ہوئی تو سرسید نے کوٹھری میں لے جا کر دکھا دی۔ غالب نے اسے غور سے دیکھ کر کہا، ”بھئی اس
میں تو کچھ خیانت ہوئی ہے، سرسید ہنس کر چپ ہو گئے اور اس طرح دونوں کے درمیان
خفیف سی شکر بخوبی پیدا ہو گئی تھی، ضم ہو گئی۔ گویا اس طرح دونوں کے تعلقات ہموار ہو گئے۔

دوسرا مضمون ”بیان غالب کا ایک پہلو“ غالب کے اسلوب شاعری اور مضمون

آزادی کے متعلق ہے چنانچہ ڈاکٹر عبدالرؤف کے خیال میں غالب کی عظمت کا راز ان کے انداز بیان

میں مضر ہے۔

میں اور بھی دنیا میں بخوبی بہت اچھے :- کہتے ہیں کہ غالب کبھی اندازِ بیاں اور شعرا کو عام طور پر صرف مضامین کی تلاش ہوتی ہے لیکن غالب کو مضامین اور اندازِ بیاں دونوں کی تلاش تھی، غالب کی شاعری میں بڑی وسعت ہی نہیں بلکہ لفظوں کے ذریعہ پیکر تراشی اس کی خوبیاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اس لئے غالب انیسویں صدی کا مہذب بڑا شاعر ہے

آج مجھ سے نہیں زمانے میں : شاعرِ نغز گو و خوش گفتار

محض فعلی ہی نہیں ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیال سے اتفاق کیا جاسکتا ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ غالب کے یہاں "لفظوں سے جو تصویریں اور پیکر بننے ہیں ان کی مثال انیسویں صدی کے عالمی ادب میں نہیں ملتی" محالاً آرا کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں غالب کے طرزِ بیاں کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اس میں زندگی جانی والی چیزوں کے پیکر اس انداز سے ابھرتے ہیں کہ احساسات کی آنکھیں ان کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کی کم و بیش کیفیت کا اندازہ کر سکتی ہیں۔ "غم بستی" ایک مجرد اور "غیر مرئی" قصہ ہے۔ لیکن شاعر کے اظہارِ بیاں نے اسے ایک مادی شکل بخش دی۔ اور مرئی ہو گیا۔

غم بستی کا انداز کس سے ہو جز مرگِ علاج : شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر منے تک

مختصر یہ کہ غالب کا یہ پہلو شعرا و ادب کی دنیا میں ایک اعجاز کی حیثیت رکھتا ہے ڈاکٹر صاحب کے مضامین کا آغاز دارِ اقدار نہایت بخیرہ اور دلکش ہو رہا ہے۔ لیکن مضمون جب عروج پر پہنچتا ہے تو یکے بیک ختم ہو جاتا ہے اور قاری کی رنجش باقی رہتی ہے کہ "کچھ اور چاہیے وسعت ترے بیاں کے لئے"۔

ڈاکٹر ظفر اوکا ٹیوی (پروفیسر شعبہ اردو، کلکتہ یونیورسٹی) نقاد بھی ہیں اور ایک نگار

بھی ہے ان کا مقالہ "غالب کا شعور و فن" فلسفہ و نفسیات کی روشنی میں غالب کے فن میں ایک انفرادی شعور و عظمت کے امکانات کی تلاش ہے۔ ان کی عظمت کا سبب ان کا بیلارینی شعور تھا جو ان کے تخلیقی عمل میں بھی واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اس میں جو عوامل ترکیبی زیادہ اہم ہیں، ان کا تعین یوں کیا جاسکتا ہے :

(۱) غالب کا ماضی سے رشتہ — کلاسیکی ادب کا مطالعہ اور اس کے اثرات ۔

(۲) غالب اور حال — ہم عصر سماجی اور ادبی حیثیت ۔ اقتصادی حالات اور ان کا

شعور ۔

(۳) مستقبل کے امکانات پر غالب کی نظر ۔

غالب کا ماضی سے رشتہ بتاتے ہوئے پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ غالب و میر کی ذہنی مماثلتوں کے نقوش دونوں کی نازک مزاجی اور احساس برتری کے علاوہ ان کے اپنے شعور و فن کی روشنی میں بھی تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ میر کا یہی انداز غالب کی تخلیق کردہ روشنی خاص کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔۔۔ وہی سے غالب کی فنی اقدار اور دریافت کا اگر جائزہ لیا جائے تو بڑا سبب لگتا ہے کہ ان تینوں کے فنی رویے اور شعور میں کم و بیش اشتراک پایا جاتا ہے۔ غالب کئی روایتوں سے فیضیاب ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے کلاسیکی فارسی اور اردو شاعری دونوں کا وسعت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا تھا، البتہ انہوں نے ماضی کے شعری و ادبی ورثے سے جو کچھ اکتا ب کیا تھا اس کی پیروی نہ کی بلکہ ان کی انانیت نے انفرادیت کی شکل اختیار کر لی۔ جسے شعور و فن سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ غالب نے اپنے گرد و پیش کے اثرات قبول کئے ہیں۔ جن کی مثال ان کے اشعار، خطوط اور شاگردوں کے کلام پر ان کی اصلاحوں کی صورت میں ہم تک پہنچے ہیں۔ گویا غالب ہر لمحہ تغیر و تبدل سے ہم کنار تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شعور و آشنائیت کے حال کے ساتھ ان کے تعلق کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ غالب اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی اثرات سے دامن نہ بچا سکے۔ اور ہم ذات سے ہم روزگار کہ ان کا شعور ہی ان کی

رہنمائی کرتا رہا۔

پروفیسر صاحب کے بقول غالب کے شعور فن کی وضاحتیں دیوان غالب میں دو طرح سے ہوئی ہیں۔ اول وہ اشعار جن میں غالب نے اپنے شعور فن کے متعلق براہ راست اظہار خیال کیا ہے، دوم وہ اشعار جو معنوی اعتبار سے بظاہر کسی اور موضوع سے مربوط ہیں لیکن ان سے بھی غالب کے فنی عمل اور شعور فن کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس طرح غالب کے فنی فن اور فنی عمل میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ غالب کی عظمت کی نمایاں دلیل ہے۔

مستقبل کے امکانات پر غالب کی وسعت نظر کی تفصیل کے سلسلے میں فاضل مقالہ نگار نے صرف یہ بتایا ہے کہ غالب کا شعور فن اپنے نئی سبب میں سارے اس اس مقولے پر پورا اترتا ہے۔

”شعور اپنے امکانات میں مستقبل ہے نہ کہ حال اور ماضی“ چنانچہ غالب خود بھی اس سے آگاہ تھے۔ در ذیل دیکھتے۔ ”شہر شمع رنگینی بعد میں خواہد شدن“

ڈاکٹر عبد المنان (مکتبہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ریڈر ہیں) مقالے کے ساتھ ساتھ اپنی تنقیدی ملاحظہ میں بھی لکھتے ہیں، ان کے دو مضامین ”میر اور غالب“ اور ”غالب کی عظمت“ قابل توجہ ہیں۔ ”میر اور غالب کے متعلق کہتے ہیں کہ اردو شاعری میں میر اور غالب دو ممتاز نام ہیں جن کی امتیازی صفت یہ ہے کہ دونوں شعور نے اپنے جدید انفرادیت کا نقش چھوڑا اور دو شاعری کو نئی ڈگر پر لاکھڑا کیا۔ نئی سمت و جہد (جہت ۶) خطا کی۔ غالب اور میر کی ذہنی ساخت ایک جیسی تھی۔ نہ فکر کا اندازہ ایک جیسا تھا لیکن اظہار کی نوعیت جدا تھی۔ غالب کو زندگی کے جو عین اور بلند (ویسج) تجربے حاصل ہوئے تھے ان کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان کے افکار کی دنیا وسیع بھی ہوا اور بلند

لے نقد و نگاہ۔ ڈاکٹر عبد المنان (نشاط بکس ڈویژن ۳۲ فیبر میں مکتبہ ۱۳) ۱۹۷۱ء

بھی۔ انہوں نے مشاہدے کو جو حسن عطا کیا وہ ان کی فنکاری کی بہترین مثال ہے۔ غالب کے یہاں زندگی سے بے حد محبت کا جذبہ ہے، ان کا اچھوتا اسلوب فکر کی جانبندی میں ہر گام پر معاونت کرتا ہے۔ غالب نے عجوبی بکروں میں جو غزلیں کہی ہیں وہ تیر کے (سے) استفادے کا شعوری نتیجہ ہیں۔ لیکن غالب کی اختراعی طبیعت اور فکری بصیرت نے اس میں تنوعات کی طنائیں کھینچ دیں اور یہاں بھی اپنی انفرادیت کا نقش چھوڑا۔ لیکن تیر کی قادر الکلامی کا اعتراف کیا ہے:

تیر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب

جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

"غالب کی عظمت" کے عنوان سے فاضل مقالہ نگار نے ان کی شخصیت کی عقدہ کشائی کے لئے کئی اہم باتیں بیان کی ہیں تاکہ غالب کی شاعری کا قاری کو اور اک ہوسکے مثلاً (۱) اردو شاعری کو نیا حوصلہ عطا کیا (۲) وہ نظام حیات کے نیا ض اور جہاں دیدہ تھے (۳) ان کے کلام میں ماحول کی عکاسی تھی (۴) غالب ایک بڑے شاعر ہونے کے باوجود انسان بھی تھے جن کے کردار میں خوبیاں اور خامیاں دونوں تھیں (۵) انہوں نے ہمیں نئے خیالات نئے اسلوب اور حکیمانہ نظر دی (۶) غالب کی عظمت کا راز اس بات میں بھی مضمر ہے کہ غالب زندگی کے شدید صدمات اور رنج و الم پر بھی مسکراتے کی جرات رکھتے تھے غرض غالب ایک ایسے نابغہ تھے جو اپنی فکر و بصیرت میں اپنے عہد سے آگے تھے۔ انہوں نے ماضی سے بھی وابستگی قائم کی تھی لیکن صرف صالح قدروں کے اکتساب کی حد تک، ہم عصروں میں وہ مومن کی ندرت نمک اور دقت نظر اور شیفتہ کے ذوق شعری و عیار تنقید سے آشنا (آگاہ) تھے۔ فارسی شعرا سے استفادہ اور ان کی قادر الکلامی کے قائل تھے اور وسعت نظر کے لئے بتدل کے معترف۔ غالب نے اسلوب و بیان کے ساتھ ساتھ مفکروں میں اجتہاد کیا۔ یہی ان کی عظمت کی نشانی ہے۔ جہاں اردو کا

دوسرا شاعر نہیں پہنچتا۔

شائق رنجن بھٹا چاریہ صاحب جن کی اکثر و بیشتر تحریریں بنگال سے متعلق شائع ہو چکی ہیں انہیں میں ان کی ایک مختصر سی تصنیف غالب اور بنگال ہے۔ یہ واقعات کی گفتنی اور غیر مستند باتوں پر مشتمل تحریروں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے فاضل مقالہ نگار کی ادبی شخصیت مجروح ہوتی ہے۔ صرف چند امور کی طرف ذیل میں اشارہ کرتا ہوں۔

(۱) اگر غالب نے کلکتہ کے (۶) کسی مسجد میں نماز ادا کی ہو تو وہ فوجداری بالاخدا مسجد ہی ہو سکتی ہے (۲۵-۲۶) (۲) غالب نے اپنے عہد کے حسن فروشوں کے گھروں کا کلکتہ میں بھی جکر لگایا ہو گا (۳) نیا امام باڑہ لکھی، جو سنہ ۱۸۷۰ء کی دوسری جانب لپ دریا واقع ہے۔ مولوی کریمت علی جو پوری کے عہد متولی (۹) کے زمانے (۹) میں بنا (۱۰) پہلی دونوں باتوں کا تعلق بھٹا چاریہ صاحب کا ذہنی مفروضہ ہے۔ اور تیسری بات میں انہیں تسامع مولیٰ کریمت علی جو پوری نے اپنا مذہبی اور اصلاحی مشن مشرقی بنگال میں جاری رکھا تھا۔ بنگلی امام باڑے کے متولی دوسرے مولوی کریمت علی تھے۔ جن کا تعلق انتہائی طبعی سے تھا (۱۱) بیشتر نے آپ کا نام آغا محمد علی اور بعض بعض نے آغا احمد علی لکھا ہے (۱۲) ایسے لوگوں کی نشاندہی اور کتابوں کا حوالہ ضروری تھا۔ (۱۳) بقول قاضی عبدالودود غالب نے اپنے کسی خط میں اس شاگرد کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن محض اس بنا پر شائق کو شاگردان غالب کی فہرست سے نکال باہر نہیں کیا جاسکتا (۱۴)۔

بھٹا چاریہ صاحب کو مغالطہ ہوا۔ اسی مقالے کے ابتدائی صفحات میں شائق کے نام غالب کے فارسی خط کا تذکرہ آیا ہے جس میں غالب نے شائق کے فارسی کلام پر اصلاح دی ہے "ما شری لب" میں شمارہ نمبر ۳۱ کے تحت صفحہ ۲۸ سے صفحہ ۳۱ تک یہ درج ہے۔

لے غالب اور بنگال "شائق رنجن بھٹا چاریہ (مستند تاریخی آرکائیو) ۱۸۷۹ء سرسٹ بازار سڑکی کلکتہ (۱۵)

۱۶۱۔ تسلیح کو اس بات کا فخر بھی حاصل ہے کہ انہوں نے اپنا کچھ کلام مرزا غالب کو دکھایا ہے
 ۱۵۲ء۔ اس کی کوئی سند پیش نہ کی گئی۔ جنگاں میں اسلوبِ شعر اور مواد و دونوں اعتبار سے
 یہ کتاب غالب کے شایانِ شان نہیں۔

مولانا ابو محفوظ انصاری معصومی جو مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ایک محنت و مفسر
 ہیں۔ فارسی وارد و ادب کا کبھی اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ مولانا کے مقالوں میں کچھ کاوری
 محنت و کاوش اور تلاش و جستجو کا اندازہ ہوتا ہے، وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں۔
 اسے ہر ممکن ثبوت اور منطقی استدلال کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں غالب
 اور معراج الحیاں پر ایک نظر، کے عنوان سے ان کا ایک مقالہ پیش نظر ہے۔ ”معراج الحیاں“
 میر وزیر علی عبرتی عظیم آبادی کا ایک قلمی تذکرہ جو فارسی شعرا کے حالات پر مشتمل ہے
 عبرتی غالب کے معاصر تھے۔ مولانا کے بیان کے مطابق اس میں کہیں ہر احوال نہیں ملتی کہ
 غالب اور خواجہ حیدر جان شائق کی ملاقات کہاں ہوئی۔ البتہ اس کا ثبوت ملتا ہے
 کہ وہ غالب کے شاگرد تھے۔ ”غالب“ سم شریف آں فخر کلام ”معنی تلاش“ اسد اللہ خان
 است۔۔۔ از زبان خواجہ حیدر جان مخلص۔ شائق نواز شاگردان عالی گشتار باشند شاعر
 شیخ وجیہ الدین عشق کے ترجمے سے یہ نکتہ ثابت ہے کہ شائق عشق کے بھی شاگرد تھے۔
 جس کا کسی اور تذکرہ نگار نے ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ عبارت ملاحظہ ہو: ”من راقم معنی شائق
 و اتفاق دیدن آن عزیز بچہ انگیز مگر دھکا کا پیش کی از مخلصان شیریں زبان خواجہ حیدر جان
 مخلص بہ شائق کو از شاگردان آن نازک تلاش باشند۔۔۔۔۔“ (تذکرہ ص ۱۷۰)

مولانا کا دوسرا مقالہ ”غالب اور منشی محمدی خادم بردوانی“ بھی قابلِ ذکر
 ہے۔ خادم فارسی کے ایک خوش فکر شاعر تھے۔ ان کی زندگی ہی میں ان کا فارسی دیوان

لہ ہجرت برہان دہلی اپریل ۱۹۹۰ء - سہ معراج الحیاں ۵۱/ب و ۵۲/۱ -

سہ ایضاً : ۵۹/ب لہ ہجرت برہان ”دہلی مارچ ۱۹۹۰ء“

شائع ہوا تھا وہ چہار جہ پرتاب چند بہادر والی بردوان کا تالیق و استاد تھے۔ اور
 چہار جہ اسکول بردوان میں فارسی زبان و ادب کا درس دیتے تھے۔ یہ زمانہ انیسویں صدی
 کے وسط کا ہے۔ خادم نے غالب کی زمین میں بھی غزل سرائی کی ہے جس سے ان کی قادر
 الکلامی کا پتا چلتا ہے۔ نشاندہی کے لئے صرف مطلع اور مقطع پیش کیا جاتا ہے :
 گرما ختم بمیکدہ مسکن دریں چوبخت : بتخانہ شد چو جای بر زمین دریں چوبخت
 خادم چہ ہرزہ گوئی غالب کرگفتہ است : سرفی کسی است یک نہ چوں من دریں چوبخت
 دوسری غزل ہے :

دلہ پیر داغ شد درالہ زارم می توان کشتن

ز گلشن بردن و ہر کو ہسارم می توان کشتن

بگزیدنا کسی بر حال من چوں غالب ای خادام

جد از خانماں دور از دیارم می توان کشتن

مرزا کی آخری عمر میں خادم کو دہلی میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ مرزا
 کی فرمائش سے اپنی تازہ غزل سنائی۔ اس کے ایک شعر پر مرزا نے (غالب دوسرا) خوش
 ہو کر بہت داد دی۔ یہاں چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

کس با آرام نہ از گردش ایام نشست : ہر کس از پیچہ ظلمت بد لہ چاک نشست
 بہر تعظیم خیالش کہ چو آمد ز ادب : اشکم از دیدہ بر دہ آمد ز بھاک نشست
 خادم ایک دگر از عذرخواہی برخاست : زیر شمشیر تو ای قاتل سفاک نشست
 خادم نے بردوان آکر جو غزل مرزا کو بھیجی اس کے دو شعر یہ ہیں۔

ہو ای آں حریم جنت آسا می کشد مارا : زیاد صبح میخوام سیم افروز تیزی پارا
 دھای دہلی و گلگشت باغ و سیر بازارش : چو در دل یاد آید خادم از جامی ہر دم مارا

مولانا معصومی صاحب کا ایک اور بہ مفر مقالہ "مرزا غالب اور مددگار کہینہ"

میں تمام معاصر اور متداول حوالوں سے کلکتہ میں مشاعرے کی جگہ کا تعین کیا گیا ہے۔ جس میں غالب نے شرکت کی تھی۔ بقول غالب معصومی صاحب کے بیان کا خلاصہ یہ ہے (۱) مشاعرہ ہراگر بڑی جیسے پہلے انوار کو ہوتا تھا (۲) نشست مدرسہ سرکار کیجی میں ہوتی تھی (۳) مشاعرے میں اردو فارسی غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ (۴) جس مجلس میں غالب شریک ہوئے اس میں سفیر ہرات بھی تھے (۵) سفیر ہرات نے غالب کے کلام کی جی کھول کر داد دی۔ (۶) مقامی شعراء کے کلام پر سفیر زیر لب مسکراتے رہے (۷) مقامی شعراء کو خفت اٹھانی پڑی جس کے نتیجے میں غالب ہدف اعتراض بنائے گئے (۸) اعتراض غالب کے دو شعر پر کئے گئے۔ (۹) غالب کی حمایت میں نواب اکبر علی خاں اور مولوی محمد حسن نے جوابات دیئے (۱۰) مشاعرے میں پانچ ہزار کا جمع تھا۔

غالب کے بعد ان کے معاصر وزیر علی عتقی کے وقت ذکرے "معراج الخیال" اور "ریاض الافکار" کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) امان علی خاں نے برسر مشاعرہ غالب پر اعتراض کیا تھا (۲) معترضین بد مذاق اور حاسد تھے اس پر مولانا کا یہ خیال کہ تفاوت سن و سال اور مرزے کے بلند آہنگ دعووں کو بھی ہنگامہ برپا کرنے میں بنیادی حیثیت رہی ہے۔ جمید احمد خان صاحب نے اپنے مضمون میں مدرسہ کلکتہ سے یہی مدرسہ مراد لیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "مدرسہ راجی موجودہ عمارت میں سن ۱۸۵۷ء یا سن ۱۸۵۸ء کے قریب مستقل ہوا۔" غالب کو مشنوی بادِ مخالف والا ہنگامہ مدرسہ کی پہلی عمارت میں پیش آیا جو سیالہ میں بیچھک خاڑ روڑ پر تھی۔ "انہوں نے مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولانا محمد موسیٰ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ جو مشاعرے ۱۸۶۵ء-۱۸۶۹ء میں ہوئے ان کا ذکر مدرسے کے کاغذات میں نہیں ملتا۔" یادگار غالب" میں مولانا حاکمی نے قیام

سے رسالہ برہان، دہلی، اکتوبر ۱۹۵۷ء

۱۸۷۰ء غالب کا کلکتہ، مطبوعہ ماہ نوکراچی، فروری ۱۹۵۷ء

کلکتہ کی سرگزشت میں اس ہنگامے کی جو تفصیل پیش کی ہے وہ مدرسہ عالیہ کے ذکر سے خالی ہے۔ (۱۵-۲۰)

مدرسہ سرکار کمپنی 'مدرسہ عالیہ' یا مدرسہ عالی کا اطلاق صرف موجودہ مدرسہ عالیہ یا محمد علی کالج پر نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جیتھک خاندرو ڈیاویلزنی اسکولز کے مدرسہ عالیہ کے علاوہ فورٹ ولیم کالج پر بھی ہوتا تھا۔ ثبوت میں اس کالج کی مطبوعات اور خطی حقائق پیش کئے جاسکتے ہیں اگر غالب کے مدرسہ سرکار کمپنی سے فورٹ ولیم کالج مراد میں تو تمام قرائن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس کالج کی روایات میں مشاعرہ شامل رہا ہے۔ یہ مشاعرہ ہر سال بڑے اہتمام کے ساتھ ۲۵ جولائی کو منعقد ہوتا تھا۔ سالانہ مشاعرے کے علاوہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی کالج سے منسلک حلقہ شعراء کے اہتمام میں ہر چھپنے مشاعرہ ہوتا ہوگا اور یہ سلسلہ غالب کے قیام کلکتہ کے زمانے تک باقی رہا۔ مزید یہ کہ ہر انگریزی چھپنے کے پہلے اتوار کو ہزم سخن کا آراستہ کیا جانا کسی مدرسے کے علمدار اور اصحاب فنی کے مذہبی ماحول اور دینی مذاق کے منافی ہے۔ مدرسہ عالیہ میں جموع کے علاوہ ہر روز بشمول یک شنبہ تعلیم ہوتی تھی۔ مدرسے کا اسٹاف کل پانچ استاد، ایک خطیب اور ایک مؤذن پر مشتمل تھا۔ ایسی صورت میں ایک بڑے مشاعرے کا اہتمام ممکن نہ تھا بقیہ غالب پانچ ہزار کا مجمع تھا، موجودہ مدرسے کا اندرونی حصہ اس مجمع کے لئے ناکافی تھا، یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ غالب نے کلکتے کا سفر جس مقصد کے لئے کیا تھا اس کی تکمیل میں کامیابی فورٹ ولیم کالج کے ارباب علم و ادب کے ذریعہ ہی ممکن تھی۔ اور یہ کہ مشنری باورقائے کے ضخیم جن لوگوں کو بھیجے گئے تھے ان کا تعلق مدرسہ عالیہ کے بجائے فورٹ ولیم کالج سے تھا۔ مولانا معصومی کے مذکورہ استدلال سے انکار و انحراف کی گنجائش نہیں۔

جناب سید لطیف الرحمن مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے اینٹکلوپر شین سیکشن کے سابق
استاد نے "غالب اور ان کے معترضین" کے عنوان سے مستقل ایک کتاب غالب کے صد سالہ
جشن کے موقع پر شائع کی تھی۔ اس میں دوسرا اور پانچواں باب غالب کی فارسی اور اردو
شاعری پر ہے۔ غالب اپنے فارسی دیوان کو آسمانی صحیفے کی حیثیت دیتے ہیں۔ لیکن اردو
میں ان کی شاعری کو پہلا دوسرا ناکامی کا دور تھا اور دوسرا دور کامیابی و مقبولیت کا۔

فاضل مقالہ نگار نے فارسی و اردو دونوں شاعری میں غالب کے معاصرین اور موجودہ
نقادین کی رائے ان سے متعلق جمع کر دی ہیں اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ان کا ذہن خلافتِ اقبال
اور ان کے فکر و فن میں بالیدگی اور بھنگی ہے لیکن تدبیرِ فارسی اور اردو شعرا کے کلام کی
روشنی میں ان کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو وہ دوسروں کے کلام سے مستفاد اور مسخوڑ

معلوم ہوتا ہے اس کتاب کا تیسرا مضمون "غالب کی فارسی دانی" ہے۔ اس میں بتایا گیا
ہے کہ غالب امیر خسرو کے علاوہ کسی ہندوستانی شاعر کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً
میرزا محمد حسن قنبل کو "کھڑی بچہ" اور ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے تھے قنبل اور غوث الدین
کو "خران نامہ شخص" کہتے تھے۔ نقشہ کو لکھتے ہیں: "وہ روشن ہندوستانی فارسی لکھنے والے"

کی وجہ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کر دیں۔ "سلا عبد السمیع کو اپنا
استاد مانتے تھے۔ اگرچہ اس کا خارجی وجود مشکوک ہے انہوں نے اپنے فارسی دیوان کی
تقریباً چھ عبد السمیع کا نام تو کیا اس طرف اشارہ تک نہ کیا۔ اپنے متعلق فرماتے تھے:

"ہندو ہندی مولد و پارسی زبان ہے..." میرے مورث اعلیٰ ترک تھے اور ان کی زبان
ترکی تھی۔ "محمد حسین تبریزی (مؤلف برہان قاطع) کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ فاضل مقالہ
نگار نے اس کا دلچسپ جواب دیا ہے کہ اگر ایک ہندوستانی تبریزی زادہ فارسی داں نہیں
ہو سکتا تو ایک ہندوستانی ترک زادہ کیونکر فارسی داں ہو سکتا ہے۔

پنشن کے سلسلے میں غالب کے کلکتہ پہنچنے سے قبل ان کے بھائی

افضل بیگ (وکیل بادشاہ دہلی) نے غالب کے خلاف فضا مسموم کر رکھی تھی کہ وہ راضی اور ملحد ہیں۔ قلیل کو برا کہتے ہیں اور شعرائے کلکتہ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کے اعزاز میں پہلا مشاعرہ ۸ جون اتوار کو کلکتہ مدرسہ میں ہوا اور انہوں نے فارسی وارد دو دونوں طرحوں میں غزلیں پڑھیں۔ تذلیل کے بدلے عزت افزائی ہوئی لیکن غزلوں کی نشاندہی نہ کی گئی۔ اسی مدرسے میں دوسرا مشاعرہ ہوا۔ پانچ ہزار کا مجمع تھا۔ غالب نے نو شعر کی غزل پڑھی۔ اس شعر پر تین اعتراض ہوئے۔

جزئی اذعالم داز ہمہ عالم بیشم : سمجھو مئے کہ بتاں راز میاں بر خیزد
پہلا یہ کہ "بیش" کی جگہ "بیشتر" ہونا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ "مئے" زمیاں بر خیزد غلط ہے۔ بلکہ پورا شعر بے معنی ہے "تیسرا یہ کہ "عالم" مفرد ہے "اس کے ساتھ" "ہمہ" کا استعمال درست نہیں۔ معترضین میں مولوی وجاہت علی بکھنوی، احمد علی گویا مٹھی، مولوی کرم حسین بلگرامی، مولوی عبدالقادر رامپوری اور مولوی محمد حسن (ممن ہتے یہ پیر مشاعرہ دیا اور سند اعتراض کا جواب نواب علی اکبر خان اور مولوی محمد حسن (ممن ہتے یہ پیر مشاعرہ دیا اور سند میں حافظہ سعدی کے اشعار پیش کئے) تعجب ہے کہ غالب نے دو اعتراضوں کے جواب کا اپنے کسی خط میں تذکرہ نہیں کیا۔ غالب نے اعتراضوں کا جواب دینے کے بجائے یہ فرمایا: "کون قلیل بہ دہی فرید آباد کا کھتری بچہ! میں اس فرومایہ کو کیوں سزا دے لگا۔" قلیل کے معترضین کی اچھی خاصی تعداد تھی، غالب کے طرز عمل سے افضل بیگ کے پر و پیگندے کی حقیقت ثابت ہو گئی۔ تیسرے مشاعرے میں غالب نے جو غزل پیش کی اس کے ایک شعر پر اعتراض ہوا کہ "زردہ" میں اضافت کیسی؟ غالب نے "مثنوی باد مائل" میں جواب دیا ہے کہ "زردہ" میں کسرہ "یائے وحدت" کی علامت ہے۔ شعر یہ ہے شورش کے بفتار بھن مژگناں دارم : طعنہ بر بے سرو سامانی طوفان زردہ

علہ مقالہ نگار کے بقول غالب خود کون سے شیراز یا اصفہان کے ایرانی کچے تھے ص ۱۲ گویا فارسی زبان کا مستند فارسی دان ہونے کے لئے اگر کے ہندوستانی باپ کا ترک یہ ہونا ضرور کہ ہے غلط

غالب نے تیسرے مشاعرے میں پہلے اعتراضات کا جواب دینا چاہا اور دلی ہرات کے سفیر
کفایت خان نے ان کی تحسین اور مدافعت کی لیکن کفایت خان سے متعلق چند غلط خطوط
میں ان کے مختلف بیانات ملتے ہیں اس لئے ان کی شخصیت غالب کے ذہن کی تحقیق معلوم
ہو رہی ہے۔ غالب کے اعزاز میں تین مشاعرے کی کسی اور ذریعہ سے تصدیق نہیں ہو رہی۔
غالب نے جواب علی اکبر کے مشورے پر ایک مثنوی "اشتی نامہ" (باد مخالف) لکھی جس کا مقصد
اہل کلمت سے صلح جوئی تھا تاکہ ان کے خلاف بھڑکتی ہوئی آگ سرد ہو جائے۔ مقالہ نگار
کا کہنا ہے کہ کلمت کے علاوہ ہندو پاک میں فارسی کے دانشوروں اور شاعروں نے غالب
کے کلام پر اعتراضات کیے ہیں جس سے اس کا پتا چلتا ہے کہ غالب کی فارسی دانی قابل
تقلید نہیں۔ ماں اسی کلمتے میں رضا علی وحشت جیسا غالب کا مقلد پیدا ہوا جس نے
مدتوں ان کے انداز بیان اور رنگ سخن کو زندہ رکھا۔

اس کتاب کا چوتھا باب "قاطع برہان کا ہنگامہ" کے عنوان سے بہت دلچسپ
ہے۔ محمد حسین ابن خلف تبریزی کی فرہنگ "برہان قاطع" کے خلاف غالب نے "قاطع برہان"
میں ایک سوساٹھ اعتراض کئے ہیں جن میں ایک سو تیس غلط ہیں۔ اس کے علاوہ غالب
ہندوستان کے فرہنگ نویسوں کو غیر مستند سمجھتے تھے اور محمد حسین تبریزی کو حقارت آمیز
لہجے میں "دکنی" کہتے تھے۔ غالب کے خلاف اس سلسلے میں تمام ہندوستان میں کتابیں
لکھی گئیں، پھر غالب کے طرف داروں نے اس کا جواب دیا۔ آخری کتاب آغا احمد مصفا کی "جہانگیر گویا"
نے "مؤید برہان" لکھی جس میں دس بارہ کے علاوہ غالب کے تمام اعتراضات کا مدلل جواب تھا غالب
نے یہ کتاب دیکھے بغیر مصفا کی خلاف ایک امانت آمیز قطعہ لکھ کر انہیں بھیج دیا۔ اس پر
غالب اور مصفا کی شاگردوں میں منظوم مبارزہ شروع ہو گیا۔ پھر غالب اور مصفا
کے درمیان کئی کتابی صورت میں اعتراض و جواب کا سلسلہ رہا۔ مقالہ نگار نے ان تمام
کتابوں اور ان کے مصنفین کی تفصیل بیان کی جس کا مطالعہ معلومات افزا اور عبرت آموز ہے۔

اس لئے کہ پڑھنے والے لوگوں نے کسی کیسی گندی گالیاں دی ہیں۔ آخر مولوی امین کی کتاب ”قانع القاطع“ کی نقض نگاری کے خلاف غالب نے مقدمہ دائر کر دیا۔ لیکن کچھ سنجیدہ لوگوں کا مدخلت کی بنا پر مصالحت ہو گئی۔ اس کے بعد برہان قاطع ”اور قاطع برہان“ پر مختلف لوگوں کی رائیں نقل کی گئی ہیں۔ آخر میں یہ کہنا ہے چاہے ہو گا کہ پوری کتب میں مصنف کا انداز بیان غالب کے ساتھ معاندانہ تھیں تو منعقدہ انجمنیں نہیں تھیں۔

لطیف الرحمن صاحب کا ایک کتابچہ ”غالب سرانی“ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ جس میں غالب کی تعریف میں رہا ہوا ہے۔

استاد مکرم ڈاکٹر شاکت سبزواری مشرقی زبانوں کے فاضل غالبیات کے محقق اور لسانیات کے ماہر تھے۔ اٹھارہ نو سو بیس میں کچھ برس درس و تدریس کے بعد ”اردو لغت بورڈ“ میں مدیر کی حیثیت پر تشریف لے گئے۔ ان کی کتاب ”غالب“ فکر و فن“ میں سات مقالے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ پہلا مقالہ ”غالب محقق کی حیثیت سے“ ۱۲۸ صفحے پر مشتمل ہے۔ تاحضی عبدالودود صاحب نے علی گڑھ میگزین (غالب نمبر ۱) میں ”غالب کی حیثیت محقق“ کے عنوان سے ایک مقالہ سر قلم کیا تھا۔ اس میں غالب کی لغوی، ادبی، فنی، تاریخی اور مذہبی معلومات کا جائزہ لیا ہے۔ تاحضی صاحب کو اصرار ہے کہ ”غالب شاعر، انشا پر داز اور ادیب تھے۔ زبان رانی اور تحقیق لغات سے ان کو کیا تعلق؟ ان کے ہمعصر اور پیش رو سبھی ہندوستانی فارسی دان، فارسی دانی میں ان سے بہتر ہیں۔ سبزواری صاحب نے ان اعتراضات کا جواب ذیل تین حصوں میں جائزہ لیا ہے۔ (الف) ایران قدیم کی زبان اذہم رب ادب تاریخ سے غالب کی واقفیت (ب) غالب کی زبان دانی اور فارسی ادب، فن اور شعر سے باخبری (ج) غالب کی معلومات عامہ۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کہ ہے کہ تاحضی صاحب کے تمام اعتراضات صحیح نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سبزواری صاحب کے مقالے کی اشاعت کے

لے مطبوعہ کل پاکستان انجمن ترقی اردو (کراچی) ۱۹۹۱ء لے علی گڑھ میگزین (غالب نمبر) ۱۷۷

قاضی صاحب نے اس کی روشنی میں اپنے مضمون پر نظر ثانی کی اور ترمیم و ترمیم کے بعد دوبارہ نقد غالبؔ میں اسے شائع کرایا۔ سبزواری صاحب کی دقیق اور بصیرت افرور بحث کو سمجھنے کے لئے علمی استعداد اور صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔

”زال مجمر فارسی میں“ اس کتاب کا دوسرا مقالہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ فارسی زبان اور لغت کی باریکیوں پر غالبؔ کو چوکناں حاصل تھا اسے ان کی شاعری نے چمکنے نہ دیا۔ غالبؔ کے زمانے میں گزشتہ پیر فریق دیو الفاظ کو ”ذ“ سے لکھا جاتا تھا۔ غالبؔ نے اعتراض کیا کہ ”زال“ عربی ہے اس لئے ”ذ“ سے لکھنا درست ہے۔ غالبؔ کے خلاف ہنگامہ ہوا لیکن وہ اس کا ثبوت نہ دے سکے اس لئے کہ محقق، رائے برصغیر کے قابل احترام محقق ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے غالبؔ کی اس تحقیق کو غلط قرار دیا۔ ڈاکٹر سبزواری نے غالبؔ کی موافقت میں سکرٹ (مستطیل) قدیم فارسی کی گرامر اور ایرانی وغیرہ ایرانی ماہرین لسانیات کی تخریر سے یہ ثابت کیلئے کہ ”زال“ کا وجود فارسی میں نہیں، اس لئے غالبؔ کا خیال درست ہے۔ پورا مقالہ لسانیات کے دقیق مباحث پر مشتمل ہے اس لئے اس کا مطالعہ اور اس سے استفادہ ہر شخص نہیں کر سکتا۔

ڈاکٹر سبزواری کا تیسرا مقالہ ”میر و غالبؔ“ ہے۔ دراصل سبزواری صاحب کی کتاب ”فلسفہ کلام غالبؔ“ پر اثر رکھنے والے طویل تبصرے کا جواب ہے۔ اس تبصرے میں اثر صاحب نے میرؔ کو غالبؔ پر ترجیح دی ہے، یہی سداً اختلاف کا سبب ہے۔ سبزواری صاحب نے مختلف مثالوں سے یہ ثابت کیلئے کہ شعر کے لئے سوز و درکار ہے۔ اور فلسفے کے لئے فکر و نظر۔ سوز و فکر کے امتزاج سے فلسفیانہ شاعری وجود میں آتی ہے۔ غالبؔ کی شاعرانہ عظمت کا انحصار فلسفیانہ فکر و نظر اور شاعرانہ سوز و درکار پر ہے، وہ میرؔ کو بھی ایک عظیم شاعر مانتے ہیں لیکن غالبؔ پر ترجیح نہیں دیتے۔ اس کتاب کا چوتھا مقالہ ”غالبؔ اور میرؔ“ کے عنوان سے بہت سارے تاریخی اور ادبی مباحث ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ یعنی غالبؔ کی ارد گرد کا پہلا مجموعہ ”عود ہندی“ منشی

بے خطوط غالبؔ، مرتبہ، ہمیشہ برشاو

ممتاز علی خان کے زیر اہتمام مطبع مجتہدائی میرٹھ سے شایع ہوا (۱۸۶۸ء) میرٹھ ہی کے ایک سخن فہم منشی احمد حسن شوکت نے غالب کے اردو دیوان کی مکمل اور جامع شرح لکھی۔ میرٹھ میں غالب کے تین قابل فخر شاگرد تھے۔ شیخہ، اسماعیل میرٹھی اور حکیم فصیح الدین رکنج، رکنج نے شاعرات کا ایک تذکرہ ۱۸۶۴ء میں میرٹھ سے شایع کیا۔ غالب نے کم سے کم تین مرتبہ میرٹھ کا سفر کیا اور شیخہ کے یہاں رہے۔ غالب نے برہان قاطع کی تردید میں "قاطع القاطع" شایع کیا تو مرزا رحیم بیگ میرٹھی نے اس کے جواب میں "ساطع برہان" لکھی۔ ان کی یادگار سے "مخزن الشعراء" ایک تذکرہ بھی ہے۔ میرٹھ میں غالب کے کئی احباب بھی تھے مثلاً منشی ممتاز علی خاں، نواب مصطفیٰ خاں شیخہ منشی غلام، بسم اللہ، حکیم غلام مولا تعلق اور حکیم محبوب علی نیر۔

اس کتاب کا پانچواں مقالہ "غالب کے اردو کلام کی اشاعت" سے متعلق ہے اس میں غالب کے اردو کلام کی پانچ اشاعتوں سے بحث کی گئی ہے پہلی اشاعت سلسلہ میں سید لطیف دہلی سے ہوئی اور دوسری اشاعت سلسلہ میں مطبع دارالاسلام دہلی سے، اس میں وہ اشعار بھی اضافہ کر دیئے ہیں جو اس چھ سالہ عرصے میں غالب نے کہے تھے۔ کلام غالب کی تیسری اشاعت مطبع احمدی شاہدہ دہلی سے سلسلہ میں ہوئی۔ یہ کسی قدر مکمل بھی ہے اور اہم بھی۔ مکمل یوں کہ اس میں ۸۰۰ کے قریب اشعار ہیں، اور اہم اس لئے کہ بعد کے ایڈیشن اسی پر مبنی ہیں۔ دیوان غالب جو تھی بار سلسلہ میں مطبع نظامی کا پتھر سے شایع ہوا اور پانچویں بار مطبع غیر الخلاق اگرہ سے سلسلہ میں یعنی غالب کی وفات سے چھ سال پہلے۔ اس کتاب کے آخری دو مقالے "غالب کی شخصیت" اور "غالب خطو کے نمونے میں" مختصر ہیں، مگر بقول مصنف ان میں حراعت کے ساتھ اور براہ راست غالب کی شخصیت اور اس کا بہترین کردار کے نمایاں پہلو دکھائے گئے ہیں۔

کلم سسرانی نے غالب اور بنگال پر جو کچھ لکھا ہے، اس کی مثال یہ کتاب ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اس باب میں خود ہی رائے قائم کر سکتے ہیں۔

لے سہوکت جت ہے، "قاطع برہان" ہونا چاہیے

غالب کے ایک حریف

غالب کے ایک حریف سے میری مراد آقا احمد علی اصفہانی کی شخصیت ہے جہاںگیر نگر یعنی ڈھاکے کو ان کی ولادت کا شرف حاصل ہے۔ جہاں وہ دسویں شوال ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تاریخی نام مظہر علی ہے جس سے ۱۲۵۵ تکلتے ہیں۔ یہ ایرانی خاندان اصفہان سے ہجرت کر کے نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان آیا اور بنگال کو اپنا وطن بنایا۔ اس لئے احمد علی اپنے آپ کو اصفہانی لکھتے ہیں۔ لیکن بعض انہیں جہاںگیر نگر کی مناسبت سے جہاںگیر نگری لکھتے ہیں۔ آقا احمد علی کے والد کا نام آقا شجاعت علی اور دادا کا نام آقا عبد العلی تھا۔ ان کے دادا کا شمار اپنے عہد کے مشہور خوشنویسوں میں ہوتا تھا۔ آقا احمد علی نے عربی اور فارسی کی تعلیم ڈھاکے کے صاحب استعداد اور قادر الکلام شاعر خواجہ اسد اللہ کو کتب سے حاصل کی۔ آقا احمد علی کو مولانا حالی نے احمد علی بیگ اور قاضی احمد میاں اختر جو نگر دھم نے پروفیسر مگلی کلج لکھا ہے جو درست نہیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں کلکتہ مرکز علم و ادب تھا اور نسبتاً ڈھاکے سے زیادہ وہاں فارسی کا چرچا تھا۔ اس لئے احمد علی اصفہانی ۱۸۶۲ء میں ڈھاکے سے کلکتہ منتقل ہو گئے اور اپنے نام کی مناسبت سے وہاں ”مدرسہ احمدیہ“ کی بنیاد رکھی۔ اور وہیں تعلیم و تدریس کے مشاغل میں منہمک ہو گئے۔ ۱۸۶۳ء میں پروفیسر کاول (COWELL) کی سفارش پر مدرسہ عالیہ کلکتہ

یعنی کلمۃ مدد سے ہیں بحیثیت مدرس فارسی ان کا تقرر ہو گیا۔ وہ ایشیا ملک سوسائٹی بنگال (کلمۃ) کی عربی فارسی مطبوعات کے ایڈیٹر بھی تھے۔ انہیں فارسی زبان و ادب پر خصوصیت کے ساتھ جیسا عبور حاصل تھا اس کا اندازہ لگانا ان کی تصانیف ہفت آسمان، ترانہ، اشتقاق، مولید برہان اور شیر نیرود وغیرہ سے مشکل نہیں۔ ان کے علاوہ آقا احمد علی نے منتخب التواریخ، اکبر نامہ، سکندر نامہ، بکری، اقبال نامہ، چنگیزی، مآثر علیگری اور دیس و رامین کی بھی تصحیح کی۔ جو ایشیا ملک سوسائٹی بنگال کی طرف سے شائع ہوئی۔ بقول بلاخسن، آقا احمد علی اصفہانی کا انتقال بخارہ کے عارضے میں چھٹی ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ (مطابق جون ۱۸۷۳ء) کو دھکے میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۳۲ سال تھی گویا غالب کے مقابلے میں عمر کے لحاظ سے نوجوان تھے۔ عبدالغفور نساخ نے 'اصل حق آقا احمد' تاریخ وفات کہی جس سے ۱۲۹۰ھ ق نکلے ہیں۔ ان دونوں حضرات کے بیان میں اختلاف نہیں لیکن بلاخسن کا بیان واضح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے سنہ ہجری و عیسوی کے ساتھ ساتھ جیسے اور تاریخ کا بھی تعین کیا ہے۔

غالب کی عہد آفرین شخصیت اور شاعرانہ عظمت اپنی جگہ مسلم لیکن آقا احمد علی اصفہانی کی علمیت و صلاحیت، کلمۃ رسمی اور دقیقہ سنجی، فارسی دانی اور حقیقی موثر سگافی، علم عروج پر قدرت اور مطالعے کی وسعت سے انکار ممکن نہیں۔ دھکے کے دو ممتاز اہل قلم یعنی غالب کا معتقد معاصر نواب سید محمود آزاد جہانگیر نگری اور ان کے چھوٹے بھائی سید محمد آزاد (آودھ پنچ کے نورتن) احمد علی اصفہانی ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ اور مشہور مستشرق بلاخسن بھی انہیں کے شاگرد تھے۔ آقا صاحب عبدالغفور نساخ، ہم عصر وہم مذاق تھے۔ ممکن ہے کہ ان تمام اہلیتوں کے باوجود آقا احمد علی کو محمد و علی طبع ہی جانتا ہو۔ لیکن مرزا غالب کے ساتھ ان کی علمی معرکہ آرائی نے انہیں ہندوستان کی غیر شہرت اور اہمیت بخشی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دوران جہانگیر غالب تقریباً گوشہ نشین ہو چکے تھے، انہیں مرزا محمد حسین تبریزی کے فارسی لغت برہان قاطع کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس میں بعض اغلاط نظر آئے، چنانچہ ان اغلاط کو کتابی صورت میں مرتب کر کے اس کا نام قاطع برہان رکھا۔ چند سال بعد ۱۸۶۵ء میں تصحیح و اضافے کے ساتھ اس کی دوسری اشاعت ررنش کا دیانی کے نام سے شائع ہوئی۔ چودھری عبدالغفور سرور کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

”اس واماندگی کے دنوں میں چھاپے کی ”برہان قاطع“ میرے پاس

تھی۔ اس کو میں دیکھ کر تاشق۔ ہزار بالغت غلط، ہزار بیان لغو عبارت پوچ، اشارات پادہ ہوا۔ میں نے سو دو سو لغت کے اغلاط لکھ کر ایک مجموعہ بنایا ہے اور قاطع برہان اس کا نام رکھا ہے مثلاً“

اس میں شک نہیں کہ مرزا غالب کو فارسی زبان و ادب پر بڑا عبور تھا۔ اس باب میں نفس مطمئنہ بھی حاصل تھا اس لئے قاطع برہان کی ترتیب و تدوین میں اتنے دیر فرسنگوں سے مدد لینے کی بجائے اپنے ذوق و ذہن اور مذاق و اجتہاد پر اعتماد کیا۔ منشی ہرگوپال لختہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

فارسی میں مبدا و فیاض سے بچے وہ دست گاہ ملی ہے اور اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جا گزیں ہیں جیسے تولد میں جو ہر۔ اہل فارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا ہندوستان، دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سو دو سو اچار سواٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں الیہ“

غالب کی قاطع برہان ۱۸۶۲ء میں شائع ہوئی۔ انداز تحریر جابجا شیوخ اور اس میں ہندی نثر ادب و نویسوں کا حقارت آمیز طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے غالب کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ یہ مخالفت کلکتہ، بنگلہ خود و دہلی، بلکہ اس کے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا^{۱۲} اور ۱۰-۹ دونوں ملک اس کا سلسلہ جاری رہا۔ اور موافق و مخالف محاذوں سے مختلف تحریریں وجود میں آئیں۔

جوانی کتابیں

نامہ غالب (از غالب)

دافع ہریان (از مولوی نجف علی)

لطائف غیبی (از میاں داد سیلج)

در اصل بقلم غالب

سوالات عبدالکریم (از مولوی عبدالکریم)

در اصل بقلم غالب

مخالف کتابیں

۱۔ ساطع برہان (از مرزا جیم بیگ میرٹھی)

۲۔ ساطع القاطع (از امین الدین دہلوی)

۳۔ محرق برہان (از مولوی سعادت علی)

قطعہ فارسی ریختہ تیر (از مرزا غالب)

۴۔ مؤید برہان (از آقا احمد علی مصطفائی)

ہنگامہ دل آشوب (حضرت اول و دوم)

(از باقر علی باقر اردوی و نوح الدین فیضی دہلوی)

۵۔ تیغ تیز تر (از فداسپہنی)

۶۔ شمشیر تیز تر (از آقا احمد علی مصطفائی)

ان تمام مذکورہ کتابوں پر تنقید و تبصرہ میرے موضوع سے خارج ہے لیکن کم از کم ان کتابوں کے مصنفوں کے سرسری تذکرے سے اس ادبی نزاع کا خاکہ زمین میں آجاتا ہے۔

البتہ اس سلسلے کی اہم اور قابل قدر کتاب آقا احمد علی کی مؤید برہان ہے جسے انا اشادکار

سمجھنا چاہیے۔ ”مؤید برہان“ محمد حسین ابن خلف تبریزی کی ”برہان قاطع“ کی تائید میں لکھی گئی اور مطبع منظر العجائب کلکتہ سے ۱۲۸۲ھ ق (مطابق ۱۸۶۶ء) میں شائع ہوئی یہ کتاب اردو ٹائپ پر ہے۔ اور اس کی صفحہ امت پونے پانچ سو صفحے ہے مولوی احمد علی نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں ایسا ملک موسائٹی ہنگال کا پورا کتب خانہ کھنگال ڈالا اور جس کاوش سے تحقیق کا حق ادا کیا وہ انہیں کا حصہ تھا۔ تمام مآخذ دین اور غالب کے معتقدین و موافقین بھی اس کی عظمت و اہمیت کے معترف ہیں۔

غالب نے اپنی کتاب ”قاطع برہان“ کو سمجھنے کے لئے جو معیار قائم کیا ہے اس کی وضاحت میر محمدی بحرورح کے نام ایک خط میں یوں کرتے ہیں:

”یہ یاد رہے کہ جو صاحب اس کو دیکھیں گے، ہرگز نہ سمجھیں گے۔“

صرف برہان قاطع کے نام پر جان دین گے۔ کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں، وہ اس کو ملنے لگا، پہلے تو عالم ہو، دوسرے فن لغت

جاننا ہو، تیسرے فارسی کا علم ہو اور اس زبان سے اسی کو لگاؤ ہو،

اساتذہ سلف کا کلام بھی بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو، چوتھے

منصف ہو، ہٹ دھرم نہ ہو، پانچویں طبع سلیم اور ذہن مستقیم

رکھتا ہو، معراج الذہن اور کچھ فہم نہ ہو۔ یہ پانچ باتیں کسی میں (نہ)

جمع ہوں گی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا۔

اگر انصاف کی روشنی میں غالب کے مجوزہ معیار کا جائزہ لیا جائے تو بوجہ طور پر

کہا جا سکتا ہے کہ آغا احمد علی مصطفائی میں یہ پانچوں باتیں موجود تھیں اور وہ غالب

کی قاطع برہان کو سمجھنے کے قابل بھی تھے۔ مرزا کا یہ مفروضہ کہ یہ پانچوں باتیں (نہ) کسی میں جمع ہوں

گی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا۔“ یا بلندی معیار کا تقاضا، ان کے اپنے دماغ

کی اختراع تھا جس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہو گا کہ وہ احساس برتری میں مبتلا تھے۔

مزید یہ کہ کلکتے کے دوران قیام ۱۸۲۸ء میں جو ادبی حادثہ مرزا کے ساتھ پیش آیا تھا اس کی بنیاد پر بنگال والوں کے خلاف ان کے مزاج میں ایک تلخی سی پیدا ہو گئی تھی اس لئے مولید برہان کی اشاعت کی اطلاع ملتے ہی اس کے مطالعے اور محاسن و معائب کا اندازہ لگائے بغیر مرزا غالب نے آقا احمد علی اصفہانی کے خلاف ایک طویل قطعہ لکھ کر انہیں بھیج دیا۔ اور ایک ایسے نزع کی بنیاد رکھ دی جس کی تلاقی اپنی ضعیفی اور علالت کی وجہ سے ذکر سکے۔ مرزا غالب میر حبیب اللہ زکا کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

" ایک دوست نے کلکتہ سے اطلاع دی ہے کہ مولوی احمد علی مدرس

مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام مولید برہان ہے۔
اس رسالے کا مضمون کچھ ایسا ہے کہ میرزا صاحب نے کئی (محمد حسین
تبریزی) پر کئے ہیں اور تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کئے ہیں اور اہل مدینہ
اور شعراء کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم سے لکھی ہیں
جس بھائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا اور کئی ورق
اس دوست کو اور دو چار جلدیں درفش کاویانی نے علاوہ اور اراق
مذکورہ بھیج دیئے لہذا اس قطعے کے چند شعروں سے غالب کا لب و لہجہ
ملاحظہ فرمائیے۔

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ	در خصوص گفتگوئی پارس انشا کرداشت
در بہان توام پور دی دی و پشت قنیل	پیشوائی خوش سندر زاده را کرده است
خواجہ راز اصفہانی بودن آبا چہ سوز	خالقش در کشور بنگال پیدا کر داشت
صاحب علم و ادب و نگار افراط غضب	چو سفیدان دفتر نفیر و ذم واکرہ است
زشت گشت یک را و بد لہجہ سخن دادہ ام	شوخی طبع کو دارم اس تقاضا کر داشت
انتقام جامع برہان قاطع " می شد	آپ کو مار کویم بادے خواجہ باماکوہ است

یہاں تیسرے شعر کا دوسرا مصرع توجہ طلب ہے، غالب فرماتے ہیں :

”خالقش در کشور بنگالہ پیدا کردہ است“ یعنی احمد علی اصفہانی کی پیدائش ملک بنگالہ میں ہوئی۔ فارسی میں لفظ ”پیدا“ تولد یا پیدائش کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ ظاہر یا دستیاب کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ غالب کے مافی الضمیر کی وضاحت کے لئے فارسی میں ”آفریدن“ خلق کردن اور بوجود آوردن عام طور پر مستعمل ہے۔ غالب سے یہ تسامح غالباً اردو کے زیر اثر ہوا ہے۔

اس قطعے کے بارے میں جناب سید قوررت نقوی فرماتے ہیں ”در حقیقت مؤید زبان جیسی کئی کتابیں بھی حسن تاثیر میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں“^{۱۸} ”تخلیق و تحقیق دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ان میں قدر مشترک کی تلاش اور مقابلہ مناسب نہیں۔ پھر یہ کہ یہ قطعہ غالب کی کوئی اہم تخلیق نہیں اور نہ اس کا تعلق حسن سے ہے اور نہ تاثیر سے۔ بلکہ ادبی نزاع کی حقیقت کا اظہار ہے۔“

مرزا غالب کا یہ استدلال کہ مولوی احمد علی کے آباؤ اجداد اصفہانی تھے لیکن ان کی پیدائش بنگالہ میں ہوئی۔ اس لئے فارسی زبان پر فخر و ناز کرنا ان کے لئے بجا نہیں۔ کون جانتا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں جب بنگالہ میں فارسی زبان وادب کا چرچا تھا، احمد علی اصفہانی کے گھر میں فارسی ہی بولی جاتی ہو، کیونکہ آج بھی ایک سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد ڈھاکہ میں ایرانی الاصل خاندان مثلاً شیرازی، اصفہانی اور محمد حسینی دالان کے ایرانی خاندان کے بعض افسر ادیبس میں فارسی بولتے ہیں تاہم غالب ریتم نام مرزا آریز گیک امین غالب فرماتے ہیں :

”اگر کوئی مجھ سے کہے کہ غالب میرا بھی مولد ہندوستان ہے میری طرف سے جواب یہ ہے کہ ہندو مولد اور فارسی زبان ہنہے“

ہرچہ از دستگاہ پارس برینما بردند
تا بنیالم، ہم از ان جملہ زبانم دادند
زبان دانی فارسی میری ازلی دستگاہ اور عطیہ خاص بنیالم اللہ
ہے۔ فارسی زبان کا مسلک مجھ کو خدا نے دیلے، مشق کا کمال میں نے
استاد سے حاصل کیا ہے۔“

غالب کے مذکورہ بالا قطعے کے جواب میں آقا احمد علی اصفہانی کے شاگرد مولوی
عبد الصمد فدا سلہٹی نے ایک طویل قطعہ کہا اور بحث کا سلسلہ نشر سے نظم کی
طرف منتقل ہو گیا۔ فدا کے قطعے سے چند اشعار درج ہیں۔

دید چوں غالب ”موید“ آن کتاب را جواب کش بصد تحقیق املا ہادی ساکرہ است
گفتگو بالای طاق از اصل مضمون کتاب ہرزہ گوئی ہرچہ دارد بے حجاب کردہ است
من یکم بہ عبد الصمد در شعر نام من فدا شہر سلہٹ مولد از دہقان کردہ است
من یکے از کتسریں خدام آقا احمد چوں بدیدم معترض این شکوہ بجا کردہ است
ننگ دارد علم از کاری کہ مرزا کریمہ است رنگ دارد علم از کاری کہ آغا کردہ است
میرزا را از بخارا بودین آ باچہ سودا خالق اورا چوں بملک ہند پیدا کردہ است
یہاں پیدا کردہ است“ کے سلسلے میں فدا سلہٹی سے بھی دو ہی غلطی ہوئی ہے جس
کا تذکرہ میں نے غالب کے قطعے میں کیا ہے۔ لیکن بزرگوار اے اسی طرح بولتے ہیں۔

غالب کے شاگرد باقر علی باقر اردی اور خواجہ محمد الدین حسین سخن دہلوی نے
الک الک فدا سلہٹی کا جواب قطعے کی صورت میں لکھا۔ پھر فدا سلہٹی نے ”تیغ تیز تر“
کے نام سے اس کا منظوم جواب دیا۔ چونکہ اس سے پہلے مرزا غالب نے ”موید برہان“ کے
جواب میں چونتیس صفحے کا ایک رسالہ ”تیغ تیز تر“ کے نام سے ۱۸۷۸ء میں ترتیب دے کر
شائع کیا تھا۔ اس لئے فدا نے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے قطعے کا نام ”تیغ تیز تر“

رکھا۔ بہر کیف، مرزا غالب اپنے رسالے "تبع تیز" کی تہذیب میں آقا احمد علی اصفہانی کے علم کا یوں اعتراف کرتے ہیں:-

"عربیت میں امین الدین سے بڑھ کر فارسیت میں برابر فخرش و

نامزدگوئی میں کم تر جیتنے القاطب تہذیب کے ہیں۔ وہ جن جن بکر میر سے

واسطے استعمال کئے ہیں، خود غالب نے احمد علی کے خلاف جو

دشنام طرازی کہے اس کے بارے میں کچھ نہیں فرماتے۔"

غالب کے رسالے "تبع تیز" کے جواب میں احمد علی اصفہانی نے اپنا رسالہ

"شمس تیز تر" ۱۸۶۸ء میں کلکتے سے شائع کیا۔ جس کی ضخامت ۱۲۲ صفحے ہے ۲۷۔

اس پر قاطع برہان کی بحث کا خاتمہ ہوا کیونکہ ان دنوں غالب کافی ضعیف ہو چکے

تھے۔ ادبی مباحث سے زیادہ انہیں جسمانی صحت کی فکر تھی۔ آخر کار وہ فردری

۱۸۶۹ء کو مرزا وفات پا گئے۔

مولانا حاتمی لکھتے ہیں کہ ایران کے مشہور لغت نویس رضا علی ہدایت نے اپنی فرسنگ

ناہری از فرسنگ النجس آرائے ناہری، مطبوعہ ۱۲۸۸ھ میں برہان قاطع کے اغلاط پر روشنی

ڈالی ہے اور جو اعتراض مرزا نے برہان پر وارد کئے ہیں ان کی بھی جا بجا فرسنگ ناہری سے

تائید ہوتی ہے ۳۳۔ تہران یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد معین مرحوم نے تصحیح و حواشی کے

ساتھ برہان قاطع کا نیا ایڈیشن شائع کر دیا ہے اور پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مجلس

یادگار غالب نے "درفش کاویانی" کے نام سے قاطع برہان کا تازہ ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں

چھاپ دیا ہے جس کے مدیر و مصحح پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر ہیں، تعجب ہوتا

ہے کہ فاضل مرتب نے احمد علی کو اصفہانی کے بجائے شیرازی کیسے لکھ دیا ۳۴۔ کیا اچھا ہوا اگر

آقا احمد علی اصفہانی کی "تائید برہان" بھی تصحیح و حواشی کے ساتھ شائع کر دی جاتے تا کہ ملک

کا پڑھا لکھا طبقہ اس سے استفادہ کر سکے اور ہر دن ملک بھی ہماری فرسنگ نویسوں

کی علمی کاوشوں اور تحقیقی موشگافیوں سے اہل علم واقف ہو سکیں اور سلسلہ غالبیات کی ایک اہم کڑی مکمل ہو جائے۔ جس طرح انجمن ترقی اردو کو کراچی (پاکستان) نے اس ادبی نزاع کی تفصیل ”ہنگامہ دل آشوب“ (حصہ اول و دوم) کے نام سے شائع کر دی ہے۔

نوٹ: میرے قلم کو غم فرماؤں گا مگر ضیاء الدین ڈیسا نے اپنے مضمون پر عنوان ”غالب اپنے دو معاصرین کی نظر میں“ (مطبوعہ غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۲ء) میں میرے مقالے پر جزدی اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً مدرسہ عالیہ کی جگہ گورنمنٹ مدرسہ یا مدرسہ کالج لکھنا اور در رسالہ ”ترانہ“ اور بر سالہ اشتقاق کے موضوعات کی تفصیل بتانا چاہئے تھا۔ اور احمد علی کی تاریخ وفات درست نہیں حال اُن کہ میں نے وہی تاریخ لکھی ہے جو ڈیسا کی صاحب فرماتے ہیں، ہاں بعض جگہ میں جزدی ترمیم کر لی ہے۔ میرا مقالہ غالب اور احمد علی کے ادبی تنازع سے متعلق ہے۔ اس سے غیر متعلقہ تفصیل کی توقع ہے جلد ہے۔ البتہ مجھے شکایت ہے کہ ڈیسا صاحب نے اس انصاف پسندی کی داد زدی کہ غالب اور ان کے طرفداروں کی فحش نگاری کے بعد بھی احمد علی نے ”ہفت آسمان“ میں غالب کا ترجمہ دیا تدارکی سے لکھا۔ غالب کی فرہنگ نویسی کے سلسلے میں مشہور محقق پروفیسر نذیر احمد صاحب کا یہ قول جس کا حوالہ خود ڈیسا صاحب نے دیا ہے (صفحہ ۱۷) یہاں پیش کرتا ہوں۔

”برہان قاطع کے نقائص کی نشاندہی جن صلاحیتوں کا تقاضا کرتی تھی غالب میں وہ صلاحیتیں تھیں۔“ اس کی تفصیل پروفیسر صاحب موصوف کی کتاب نقد قاطع برہان (مع ضامم) میں ملاحظہ فرمائیے۔

حواشی

۱۔ ہفت آسمان ص ۳۰ (بلا فحش کا انگریزی مقدمہ) حیات غالب (ص ۱۱-۲۱)

مشرق بنگال میں اردو، (۲۲-۴۵)

۲۰ یادگار غالب ۵۹

۲۱ نوائے ادب بمبئی جولائی ۱۹۵۰ء (صفحہ ۲۲۲) بحوالہ سروش سخن از سید نوح الدین حسین سخن دہلوی۔ مرتبہ خلیل الرحمن دلاوی (صفحہ ۲۲۳)

۲۲ وفادارشدی نے اسے مشنوی کے سات اوزان کی شرح لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ (بنگال میں اردو) (صفحہ ۲۲۳)

۲۳ حالی نے مؤید البرہان (یادگار غالب ۵۹) اور وفادارشدی نے تذکرہ مؤید البرہان لکھا ہے جو درست نہیں (بنگال میں اردو) (صفحہ ۲۲۳)

۲۴ مشرقی بنگال میں اردو (صفحہ ۲۲۳)

۲۵ ہفت آسمان (صفحہ ۳۱) ۲۶ جنگام دل آشوب (تفصیل)

ملاحظہ ہو، صفحہ ۵۲

۲۷ نقش آزاد (صفحہ ۳۳-۳۴) ۲۸ بحوالہ جنگام دل آشوب (صفحہ ۲۱-۲۲)

۲۹ درفش کاویانی۔ پیش لفظ (صفحہ ۳۲) ۳۰ جنگام دل آشوب (صفحہ ۲۳) لیکن

۳۱ خطوط غالب (۵۸۵) ۳۲ بلاخسن نے اس کی ضخامت ۱۰۶ صفحے لکھی ہے۔

۳۳ " " " (صفحہ ۱۹) (مقدمہ ہفت آسمان صفحہ ۳)

۳۴ جنگام دل آشوب (صفحہ ۲۴) ۳۵ یادگار غالب (صفحہ ۵۵-۵۶)

۳۶ " " " (صفحہ ۱۸) ۳۷ درفش کاویانی (صفحہ ۵-۶)

۳۸ بلاخسن نے مقدمہ ہفت آسمان صفحہ ۳ اور پروفیسر اقبال اعظمی نے اشراقی بنگال میں اردو

صفحہ ۲۲ پر سال طباعت ۱۸۶۵ء لکھا ہے۔

۳۹ خطوط غالب (صفحہ ۲۸)

۴۰ " " " (صفحہ ۴۳-۴۴)

۴۱ تحقیق نامہ یاغ درور (صفحہ ۱۵۹)

۴۲ جنگام دل آشوب (صفحہ ۲۲)

۴۳ خطوط غالب (صفحہ ۶۱۵)

غالب کے ایک بنگالی شاگرد (خواجہ عبدالغفار اختر)

داد غالب بھی تجھے دیکھ گئے زبانِ دانی کی
لے کے اختر جو یہ دلی میں غزلِ جاے گا

اسے غالب کا فیضِ سخن کیلئے یا ضائع کا الکتاب فی جسد نے کائے کوسوں بڑلا دیش
میں بیڑ کر تھا کوئی شعہ کہنے پر مجبور کیا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خواجہ عبدالغفار
اختر کو زبان سے کتنی دلچسپی اور اس پر کس قدر دسترس حاصل تھی۔ اختر کے بارے میں اس
سے پہلے عبدالغفور نساج، منشی رحمان علی طیش، شہداء الملک حکیم حبیب الرحمن، مالک رام

۱۔ "سخنی شہداء" مرتبہ عبدالغفور نساج، مطبوعہ نول کشور پریس (۱۳۹۱ھ)

۲۔ "تواریخ ڈھاکہ" مرتبہ مولوی رحمان علی طیش، مطبوعہ اشاعتِ انڈیا پریس، ۱۳۸۰ھ

۳۔ "تلاذ نساج" احمد اردو/فارسی، مرتبہ شہداء الملک حکیم حبیب الرحمن مرحوم (ڈھاکا، اردو)

تذکرہ اردو فارسی عربی، الکتابیں جنھوں میں تیغوں زبانوں کے مصنفین کے حالات اور نمونہ تحریر پر مشتمل ہے

۴۔ "تلاذہ غالب" مرتبہ مالک رام، مرکز تصنیف تالیف، نکودہ (دسمبر ۱۹۵۷ء) ص ۲۹۹

ڈاکٹر عبدلیب شادانی، پروفیسر سید اقبال عظیم، اور وفار احمد نے جتنا اور کچھ لکھا ہے، اس مقالے میں اس پر مزید اضافہ اور غیر مطبوعہ کلام کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

خواجہ عبدالغفار اختر خانان خواجہ کن ڈھاکہ کے نمایاں فوڈ رئیس اعظم شہر ڈھاکہ خواجہ عبدالغفور کے صاحبزادے خواجہ عبدالغنی کے بھائی خواجہ خواجہ احسن اللہ شاہین

۱۔ ”مشرقی پاکستان کے اردو ادیب“ میں ڈاکٹر شادانی کی ریڈیائی تقریر خواجہ عبدالغفار اختر سے متعلق ص ۲۵-۳۱ اور کتب مطبوعات پاکستان کراچی (۱۹۵۵ء)

۲۔ ”مشرقی پاکستان میں اردو“ ترجمہ پروفیسر اقبال عظیم، مشرقی پاکستان کو آبرو پیش کیلئے کوشش ڈھاکہ۔ (۱۹۵۴ء)

۳۔ ”ہنگامی میں اردو“ مرتبہ وفار احمدی، مکتبہ اشاعت اردو، حیدر آباد سندھ پاکستان (۱۹۵۵ء)

۴۔ خواجہ عبدالغفور، خواجہ عبدالغفار کے والد محترم۔

۵۔ خواجہ عبدالغنی، خواجہ عظیم الشان کے صاحبزادے، خواجہ عبدالغنی نے آبائی جائیداد کو اور ترقی

دی اور سرکاری قصبہ سے اپنے اور اپنے ورثہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے خواجہ بہادر کا خطاب

عطا کیا، سر عبدالغنی کی داد و دہش کا شہرہ چند سے کر کر رہا، مرام اور یہ رہ

تک آج بھی ہے کہ انجمن نے دعوت ڈھاکہ میں ہے شمار غرا اور مسابکین کی پروڈکشن کا ساما

بہم پہنچایا بلکہ عرب میں نہر نہر سیدہ کی موت کے لئے حق میں رقم بھیجی اور روس و ترکی

کی جنگ میں سپاہ ترکی کے تیس دن اور ۱۹۵۷ء کے لئے ڈاکٹر شادانی کا ساما گیا ۱۸۷۴ء میں

پروفیسر آف ریجنل انٹرنیٹ آف ایجوکیشن، ایس۔ ایم۔ ایڈیا، خطاب دیا اور گورنر جنرل

کی کونسل کے ممبر بنے پھر انٹرنیٹ کا خطاب پایا، خواجہ احسن اللہ شاہین، اسی لائق باب کے

لائق بیٹے تھے۔ (مشرقی پاکستان میں اردو، ص ۶۲)

۶۔ خواجہ احسن اللہ شاہین، خواجہ عبدالغنی کے صاحبزادے، شاہین کی ولادت ۱۳۶۷ھ۔

۱۸۴۹ء اور وفات ۱۹۰۱ء، ”مشرقی پاکستان کے اردو ادیب“ ص ۲۲-۵۶۔

کے ماموں اور استاد سخن 'نساخ' نواب سید محمود آزاد خواجہ حیدر جان سائق اور آقا احمد علی
 (صفہان کے معاصر تھے۔ مرزا غالب کی ضعیفی کے وقت ان کا عالم شباب تھا غن شاعری کی تعلیم
 لے نساخ، عبد الغفور ولادت ۱۲۴۹ھ وطن فرید پور بنگال وفات ۱۳۰۶ھ خان بہادر کا خطاب پایا۔
 بنگال کے مختلف مقامات میں فوجی محکمہ اور دینی محکمہ کی حیثیت سے متعلق رہے۔ خان بہادر
 نواب عبد اللطیف فرید پوری (۱۸۲۸ء - ۱۸۹۳ء) کے چھوٹے بھائی اور تقریباً ایک درجن سے
 زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ نساخ کے دیوان اولیٰ دفتر بے مثال کی رسید کے طور پر غالب نے
 اپنے ایک خط میں ان کی تعریف کی ہے۔

نواب سید محمود آزاد ولادت ڈھاکہ ۱۸۲۳ء وفات ۱۹۰۷ء اردو فارسی کے بہت مشق صاحب
 دیوان صاحبِ مطبوعہ (۱۸۸۹ء) ابتدائی تعلیم و تربیت آقا احمد علی صفہانی سے حاصل کی۔
 حافظ اکرام احمد ضمیمہ سے شاعری میں تلمذ تھا۔ نواب سید محمود آزاد ولادت ڈھاکہ (۱۸۴۷ء)
 اور دھبہ بیچ لکھنؤ کے مشہور نامہ نگار ان کے چھوٹے بھائی تھے۔

خواجہ حیدر جان سائق (وفات ۱۸۷۸ء) خواجہ خلیل اللہ کے صاحبزادے 'اردو فارسی
 کے صاحب دیوان شاعر اور غالب کے شاعر۔ اصل نام خواجہ فیض الدین اور عرفیت
 حیدر جان ہے ان کے نام غالب کا ایک فارسی نام 'ماتر غالب' (ماتہ تاجی عبد الودود) میں
 شامل ہے۔ نیز 'مشرق پاکستان' کے اردو ادیب 'ص ۷۵' ملاحظہ ہو۔

آقا احمد علی صفہانی ساریکی مہم منظم علیٰ حسد سے (۱۲۵۵ھ) لکھنؤ میں وفات (۱۲۹۰ھ) والد
 آقا شجاعت علی دادا آقا عبد العلی نواب سید محمود آزاد نواب سید محمد آزاد دونوں بھائیوں
 کے استاد خواجہ سید اللہ کو کب کے شاگرد، محمد قلیص تھا فارسی اردو میں سرکنت تھے فارسی اور
 علم عربی کے ماہر غالب کی فاطمہ برہان کے جواب میں مولانا برہان (تقریباً پونے پانچ برس قبل
 پر مشتمل) ایک ضخیم فرسنگ ترتیب دی 'مشہور مشرق' 'بلافسن' کے استاد تفسیر کے لئے ملاحظہ
 ہو دائم کا مقالہ غالب کے ایک حریف 'مطبوعہ غالبان مارا ملی تواریخ ۱۹۸۱ء تقریباً ۳۵ سال
 کی عمر میں انتقال کیا۔

و تربیت حافظ سید اکرام احمد ضعیف رامپوری سے حاصل کی جنہیں انیسویں صدی کے بنگال کا
مصحف کینا چاہیے۔ ابتدا میں کلام پر اصلاح اپنے خاندانی بزرگ خواجہ عبدالرحیم صاحب سے لی۔

جن کی علمی و ادبی صحبتوں سے آقا احمد علی اصفہانی جیسا محقق و علم عروض کا ماہر بھی مستفید ہوا تھا۔

پہلا دیوان سرقہ ہو جانے کے بعد بظاہر شعر و سخن سے دست بردار ہو چکے تھے۔ لیکن مرزا حبیب علی

ایشہ کے ڈھاکے میں تشریف آوری، ان کے اعزاز میں شعر و سخن کی محفلیں اور اختر سے ان کے

دوستانہ تعلقات و روابط کے باعث شعر گوئی کا دوبارہ سلسلہ شروع ہوا جسے اختر کی

شاعری کا دور ثانی کہنا بے جا نہ ہو گا۔ یہ سلسلہ آگے چل کر اختر کی طبع رصا و ذوق سخن اور

شعور و جن کو غالب دہلوی سے اکتساب فن پر آمادہ کر کے ان کے اجداد میں خواجہ حفیظ اللہ کشر

سے ترک وطن کر کے ڈھاکا آئے تھے۔ لیکن اختر کی پیدائش پر درش و پرداخت اور تعلیم و تربیت

ڈھاکے میں ہوئی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنے لئے غالب کی شاگردی و رہنمائی کو دنیا کے شاعری

میں خوش مذاقی اور زبان دانی کا ثبوت سمجھتے تھے اور ڈھاکے میں اپنی شاعری کا ہنر دکھانا

۱۔ حافظ اکرام احمد ضعیف رامپوری وفات (۱۲۸۹ھ) والد کا نام قطب الدین شاہ روضی احمد رافق

سرہندی (شاگرد جرنیل کے شاگرد اور داماد) و غنی و غنی کے محبت و ستارہ عبد الغفار اختر خواجہ احسن اللہ

شاہین اور خواجہ عتیق اللہ شیدائے استاذ و غزل میں ضعیف مرثیے کی بختی اور ہزل میں مہمان تخلص

کرتے تھے۔ ابتدا میں حشمت تخلص تھا۔

۲۔ خواجہ عبدالرحیم صاحب خواجہ سلیم اللہ کے صاحبزائے خواجہ علیم اللہ کے داماد اور برادر زائے فارسی

ان کی نظم و نثر کا سرمایہ زیادہ ہے اور اردو میں کم وفات (۱۲۸۸ھ - ۱۸۷۹ء) خاندان

خواجگان ڈھاکہ کی تاریخ کشر بیان ڈھاکہ کے نام سے فارسی میں لکھی ہے۔

۳۔ مرزا حبیب علی آیشہ کسی تذکرے میں تفصیل نہ مل سکی۔

۴۔ خواجہ حفیظ اللہ خاندان خواجگان ڈھاکہ کے پہلے شخص جو کشر سے ترک وطن کر کے ڈھاکے میں آئے۔

۵۔ نواب نعمت جگہ ہوا کو نائب نظامت کا پورا تھا تار سے کافی دولت حاصل کی اور قلعہ میں سنگی بنیادیں بنوادی۔

تفصیل حاصل تصور کرتے تھے، درجہ اپنے منقطعوں میں اس کا اظہار کیا ہے کہتے ہیں۔

لے کے اختر غنزل چلو دہلی : ہاں ہنر اپنا کچھ دکھانے کے

ذرا جہن کے دہلی میں پڑھئے غزل : سہ ڈھاکے میں تفصیل حاصل عبت

خواجہ عبدالغفار اردو میں اختر افغانی میں وفا اور رنجش میں نزاکت تخلیق کرتے

تھے۔ اس ثبوت کے لئے کہ اختر اپنا نامی کلام بھی غالب کی خدمت میں بغرض اصلاح

بھیج کر تے تھے۔ اس کتاب میں ہنگال میں غالب سنا سنی پر مقالہ ملاحظہ کیجئے

صحیح نہیں کہ سید محمود آزاد اور خواجہ حیدر جان شائق کے علاوہ خواجہ عبدالغفار اختر ڈھاکے کے

تیسرے شاعر تھے جن میں مرزا غالب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ شرف المصطفیٰ صاحب کی روایت کی

بنابر استاد محترم ڈاکٹر غنڈیش شادانی کو بھی سہو ہوا ہے کہ جب غالب اپنی پنشن کے مقدمے کے سلسلے

کلیئے آئے ہوئے تھے تو وہاں ان کی ملاقات سید محمود آزاد سے ہوئی۔ غالب کلیئے فروری ۱۸۸۸ء میں

۱۔ تاریخ ڈھاکہ بحر المشرق پاکستان میں اردو (ص ۵۱) نیز "ہنگال میں اردو" (ص ۶۷)

۲۔ (مشرق پاکستان میں اردو) (ص ۵۱)

۳۔ حیدر دہلی کا یہ خیال درست نہیں کہ خواجہ عبدالغفار رنجش میں رفا خلقی کرتے تھے

۴۔ "مشرق پاکستان میں اردو" (ص ۵۱)

۵۔ شرف المصطفیٰ ولادت ڈھاکہ (۱۲۹۵ھ) والدہ ایرانی الاصل تھیں نواب سید محمود آزاد کے بھائی

اور ڈھاکے کے آخری پری میئر ڈاکٹر افغانی کے صاحب دیوان شاعر، کلیات ان شرف کے نام سے پہلا

مجموعہ کلام شائع ہو چکا ہے (۱۹۳۷ء) دومرا مجموعہ کلام "دلیستان شرف" غیر مطبوعہ ہے۔

۶۔ "مشرق پاکستان میں اردو ادیب" میں سید محمود آزاد سے متعلق ڈاکٹر شادانی کی ریڈیائی تقریر (۱۹۷۱ء)

۷۔ ڈاکٹر غالب "مرتبہ مالک رام" مطبوعہ مکتبہ جامعہ لکھنؤ، دہلی (فروری ۱۹۷۶ء) ص ۶۳

آئے اور سید محمود آزاد کی پیدائش ڈھاکے میں ۱۸۶۲ء میں ہوئی۔ اس لئے دونوں کی ملاقات کا امکان نہیں۔ آزاد غالب کے کلام سے متاثر ضرور نظر آتے ہیں جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ اور یہ بحث کا ایک الگ موضوع ہے۔ لیکن ان کے شاگرد نہیں۔ اس لئے خواجہ عبدالغفار اختر ڈھاکے میں غالب کے تیسرے ہمیں بلکہ دوسرے شاگرد ہوئے۔

شفاۃ الملک حکیم حبیب الرحمن مرحوم نے بنگالہ کے اردو فارسی اور عربی مصنفوں کا تذکرہ مرتب کرنے کی غرض سے ان کی تمام تصانیف کو تقریباً چالیس سال تک نہایت محنت و مشقت اور کوشش و محنت سے فراہم کیا اور ملاذ غسال کے نام سے ان مصنفین کے حالات اور تصنیفات میں ضخیم جلدوں میں ترتیب دیئے جو اب نامکمل صورت میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ خطوطات کی لائبریری میں حکیم صاحب کا بیان ہے کہ "سخن شعراء" میں شیخ بنگالی عاصی باشندہ ڈھاکہ کے تذکرے نے انہیں چونکا دیا کہ یہ کون صاحب ہیں جنہیں وہ نہیں جانتے اسی طرح رسالہ "دورین" (کلکتہ) میں شیخ بنگالی کا کلام دوبارہ جب ان کی نظر سے گزرا تو انہیں مزید لاش و تقشیر ہوئی لیکن اس مقدمے کی گرہ کشائی دریافت کے باوجود ان کے بزرگوں سے بھی نہ ہو سکی۔ کیونکہ یہ ایک راز سرست تھا۔ اختر کی وفات کے بعد حکیم صاحب موصوف کی گزارش پر جب خواجہ عبدالغفار اختر کے صاحبزادے خواجہ عطاء اللہ نے انہیں اختر غیر مطبوعہ دیوان عطا کیا تو مطالعے کے بعد یہ راز فاش ہوا کہ وہ شیخ بنگالی عاصی ہی اختر تھے۔ جن کا "سخن شعراء" اور "دورین" میں شائع شدہ کلام بھی اس دیوان کی زینت تھا۔ شاید اردو زبان ڈھاکے میں اس وقت آتی مقبول نہ ہو اس لئے فرحی نام سے کلام کی اشاعت کا مقدمہ تھا کہ فارسی کی پسند و ناپسند کا اندازہ لگایا جاسکے۔ بہر صورت "دورین" کلکتہ میں جو دو نظریں شائع ہوئی تھیں ان سے دور و شعر نقل کئے چلے ہیں۔

۱۔ سخن شعراء "ترتیب نسخ" (نول کشور میں ۱۲۹۱ھ) ۲۔ رسالہ "دورین" کلکتہ ۳۔ رجب ۱۲۷۷ھ

عطاء اللہ خواجہ عبدالغفار کے صاحبزادے "مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی"

ہم زیر زمین جا لیں گے اک فوج دہشت لے رہا قلعہ و دروغ و غم و رنج و الم لے
دشت کدہ دہر اقامت کی نہیں جہا اس منزل مہموم میں پھر کیا کوئی دم لے
گردا گرد سید افسلاک میں جل جائے گرمی سے بے ناوں کی توجہ شدید کھل جائے
ہاں داؤ زبان دانی کی دیں حضرت غالب عاصی جو کوئی دہلی میں لے کر یہ منزل جائے
بہر صورت یہ کلام خواجہ عبدالغفار اختر کی شاعری کے دو شاعری سے تعلق رکھتا ہے
جب وہ مرزا رجب علی شیر کی صحبت کے فیض سے دوبارہ شعر و سخن کی دنیا میں واپس آ گئے
چنانچہ اس کا اظہار یوں کیا ہے:

یہ وہ فاضل نکلتا یا ہم ازیم فیض اشیر ڈھاکا دارا عمر و زمین رنگ صفایاں کردار ام
یہ دوسرا دیوان اختر نے اپنے شاگرد اور ہمیشہ زادے نواب خواجہ احسن اللہ شاہین
کی فرمائش پر مرتب کیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

ہاں مخاطب تین کہے وہ کہیں ہمدرد سریز از جہان اختر
مرتب نسخہ دل کش کیا ہے نہیں مطلب علم و ہرستان اختر
اختر آندائے شاعری میں شائع کھنوی کے رنگ میں شعر کہتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے
بیحدی مہر کو قابل انتخاب جانا۔ جس کی طرف ان کی توجہ خواجہ عبدالرحیم صاحب نے منعطف کرائی
تھی۔ اس کا اندازہ اختر کے حسب ذیل دو مکتوبوں سے کیا جاسکتا ہے۔

آتش و تاج کو اپنے رو برو کیا مجھیں ہم
ہی مقلد مہر کے اختر ہمسار انا ہے

لا کر آتش و تاج سے شاہیں
ذرا اس فن میں اختر کا ہنر دیکھ

یہ تمام سے مراد ان کے شاگرد رشید دہلی نواب خواجہ احسن اللہ ہیں۔ جن کی

۱۱۰۲۸

خاطر اچھوڑنے اپنے کلام کا "نحوہ دل کش" مرتب کیا تھا۔

اب ناسخ نگہندی کے رنگ میں چند شعر پیش کئے جاتے ہیں جو یقیناً شعر کے ابتدائی دور شاعری کے ہونگے جب وہ اپنے معاصرین خصوصاً بنگال میں ناسخ کی طرح ناسخ سے متاثر تھے۔ مثلاً:

تیری زلفوں نے کیل ہے دل وحشی کو اسیر
صیدِ دم خوردہ بھی 'صیادِ نثر' دام آ یا

خاطرِ غرباں بصیدِ اہلِ دل مسائل نہیں
یا ہمارے دور میں کوئی بھی صاحبِ دل نہیں

جو ہوسو ہو تنگہ یار سے 'دگر نہ کہاں
ہو خونِ فشاں بہ اثرِ ہائی نیشترِ رگِ سنگ

ہے موزِ عکسِ رنگِ گل بہارِ کلفتِ خاطر
اسیرِ انِ نفسِ کب شاد ہوتے ہیں بہاروں سے

برنگِ بوئے گلِ آتشِ نہال ہے سینہٴ دل میں
دردِ دمیتِ جنوں اب تنگ آ یا ہوں گلتاں سے

نفا، الٹا، کچھ حبیب الرحمن صاحب کے مطالعے میں اختر کا جو قلمی دیوان رہا
جس کا ترجمہ وہ کیا ہے اختر کہتے ہیں انہیں کے بقول اس میں مختلف اصنافِ سخن ہیں

۱۔ کلیاتِ اختر مطبوعہ "المشرق" دہلی کا مارچ (۱۹۷۷ء)

اختر کا کلام موجود ہے۔ مثلاً قصیدہ 'غزل'، 'مثنوی'، 'رباعی'، 'قطبہ'، 'مجنس'، 'سدرس'، 'واسوخت' اور ترکیب بند: اس کی تفصیل یوں ہے کہ اس مجموعہ کلام میں صرف دو قصیدے ہیں، پہلے قصیدے میں ایک سو ایک اشعار ہیں جس کا مطلع یہ ہے۔

بو قوتِ شام کہ خورشید ہو گیا بے نور
جہاں میں تیرا شب نے ڈالا رنگِ ظہور

دوسرے قصیدے میں صرف تینتالیس شعر ہیں، البتہ مثال نہیں پیش کی گئی ہے۔ ایک قصہ حافظ شیرازی کی غزل پر چہن کا مصرعہ یہ ہے۔

دل میر و دوز دستم صاحبِ دلانِ خدارا

ایک مختصر سا واسوخت ہے جس کا ایک بند یوں ہے :-

ناؤں بچر جگر دوز ہے اللہ اللہ راتِ فرقت خمر افروز ہے اللہ اللہ
سینہ بھی بائے غم اندوز ہے اللہ اللہ خاطرِ آشفہ شبِ دروز ہے اللہ اللہ
ہمت اے دل کہستم اور اٹھنا ہے مجھے
لحافت اے ناک کہ لب تک ابھی آئے مجھے

ایک رباعی کی مثال پیش کی جاتی ہے۔

گر خضر نے عمر حیا و دانی پائی یا آبِ حیات کی نشانی پائی
کیا ناز کرے اس پر کہ جب آخر کار کمرے کے لئے رشتہ گانی پائی

چار قصود بھی ہیں (غالباً منظوم) جن میں اس زمانے کی روش کے مطابق ناکارہ الفاظ بھی خوش سلوکی سے استعمال کئے گئے ہیں آخر میں "دفتر عشق" کے نام سے ایک مثنوی ہے غالب یہ اختر کے دوسرے آخری یادگار ہے، کیونکہ اس میں روانی زبان کے ساتھ ساتھ شیرینی بیان بھی ہے اور نہایت دل دوز اور دل انگیز انداز میں لکھی گئی ہے۔

اصل "پہلو" (تصحیح قیاسی)

غزل میں تقریباً ہر دلیق میں ہیں لیکن چھوٹی بحر وں میں خصوصیت کے ساتھ بڑی
رواں اور پاکیزہ غزلیں بھی ہیں جن میں زبان و بیان کا لطف بھی پایا جاتا ہے۔ ان مولوں
پر میر کا پرتو کیسے یا فائز سے اکتساب فن کا فیض کبہر صورت میں بہت دلچسپ اور سادہ و
مستقیم رہنمائی کی غزلیں پیش کی جاتی ہیں۔

دل اپنا ہوا نہ یار اپنا	دیکھیں کیا ہو مسائل کار اپنا
کعبہ و بت کسے کو جا دیکھا	ہوئے کس جا برا کار اپنا
آنکھیں جاتی رہیں گی آخسر کار	یہ دکھاتا ہے انتظار اپنا
زلف چہرے پر ملت پریشان کر	طول کھینچے کا انتظار اپنا
گئے صبر و تضرع و تاب و توان	نار ہا کوئی غم گسار اپنا

کوئے جاناں میں ہم تو جانا سکے	حال اپنا اسے سنا نہ سکے
صورت بد، حجاب کار ہوئیں	وہ طبیعت ادھر کو لا سکے
دل کا پوچھا نشان تو شعلے	جانتے تھے مسکرتا نہ سکے
شیخ سے اس کی ہم گلے نہ ملے	اپنا جو ہر اسے دکھا نہ سکے
زور نا طافستی نے دکھلایا	سر کو بالیں سے ہم اٹھا نہ سکے

جنوں شورش فراں ہو چکی بس	بہار آشنائی ہو چکی بس
نہ لایا تاب جو بر یار تو نے	دلا صبر آزمائی ہو چکی بس
چلے میخانے کو کعبے سے ناصح	اب ان کی بار سائی ہو چکی بس
جو ہے یہ خوش نواں تیری اختر	تو بھر یاں سے رہائی ہو چکی بس

اگرچہ گذشتہ صفحات میں بعض اشعار میں اختر نے اپنا زبان دانی اور شعرا نہ ہر پر

فردنا دیکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کہیں کہیں ان کے کلام میں زبان و بیان کی ناموزنی و لغزش کے ساتھ ساتھ اٹھکے کا مخصوص لب و لہجہ اور محاورہ بھی راہ پا گیا ہے۔ اس کے دو اسباب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو ہنگامے کا ماحول جس سے شاعر کی مفروضہ اور ذہن سے یہ کہ ان کی تعلیم پختہ اور مکمل طور پر نہ ہوئی تھی۔ اس لئے روزمرہ محاورہ اور عروض و قواعد کے استعمال میں چونکہ ایک فطری امر تھا، مثلاً ذیل کے تین شعروں میں خط کشیدہ الفاظ۔

دلایا تا ب جو ریاد تو نے

دلا حیر آرمائی ہر چکی بس

ہم کہاں رقی میں جھپٹ بلیاں

تیری رفتار پہ قیامت ہے

شکایت کیا کہ یہ اختر ستم ہے صنم کی ہم

بدی اس نے جو کچھ کی ہم نصیبوں کا بد سمجھے

مولوی رحمان علی طیش مصنف تواریخ ڈھاکا بجر بک نے خود ڈھاکے کی چلتی

پھر قیاسی کلومیٹر یا تھے عبدالغفار اختر کے بارے میں دیکھتے ہیں:

آپ نے اپنا ایک کلیات بفرمائش نواب سر حسن اللہ بہادر مرحوم

سرب کیا... آپ کا فارسی کلام نہایت فصیح و بلیغ شیر کی طرز

پر ہے اور اردو میں آپ نے میر تقی میر کا طریق اختیار کیا ہے آپ کو یہ

میں نعت گوئی کی طرف رغبت ہوئی اور بہت نعتیہ کلام مقبول ہے۔

طیش کا یہ بیان ہماری خاص توجہ جانتا ہے کہ اختر کا فارسی اور نعتیہ کلام کیوں دنیائے

نے "تواریخ ڈھاکہ" مترجم رحمان علی طیش، مجلہ "مشرقی پاکستان میں اردو" ص ۱۳۱

نہیں ہوتا۔ یہ کہنا ہے جادو کا کہ جب ان کا کلیات یا دیوان ہی اب مفقود ہے تو کلام کا پایا جانا ممکن نہیں، البتہ پروفیسر اقبال عظیم کا یہ بیان کہ:

”خاندان خواجگان کی کئی بیاضیں میرے پاس ہیں جن میں سے ایک بیاض خواجہ احسن اللہ شاہین خواجہ عبدالغفار اختر خواجہ عبدالرحیم صبا اور خواجہ عتیق اللہ شیدائے گیتوں کا زون غزلوں، رباعیوں اور نظموں پر مشتمل ہے۔“

اس امر کا شاہد ہے کہ خواجگان ڈھاکہ کی یہ بیاض اقبال عظیم صاحب کے ساتھ کراچی (پاکستان) چلی گئی۔ ایسی صورت میں یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں اختر کے فارسی کلام کے علاوہ نعتیہ کلام بھی ہے کہ نہیں، البتہ موصوفی نے اختر کے درج ذیل دو نعتیہ اشعار غالباً اسی بیاض سے نقل کئے ہیں جو کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرے۔

لے روحِ روانِ واروئے دل چارہ گر جاں
لے فخرِ رسل، قبلہ دین، کعبہ ایمان

اے نورِ ز تو عکسِ فنگن آئینہ توحید

در وصفِ توالدیشہ خجل، ناطقہ حیراں

نومبر ۱۹۵۲ء میں جب ڈھاکہ کا یونیورسٹی کے ان قلمی نسخوں کا جائزہ لے رہا تھا جی کی کئی سال سے فہرست مرتب نہ ہو سکی تھی۔ اس میں اتفاق سے ”منظوم اختر“ کے نام سے ایک ایسی دستاویز یا تھم آگئی جس سے اردو شاعری کی دنیا، اقف نہ تھی۔ یہ نقل اسکیپ سائز کی تقطیع پر کسی خوش نویس نے نستعلیق خط میں لکھی ہے اور ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن دست برد زماذکی وجہ سے کرم خوردہ ہو چکی ہے۔ اس میں حسب ذیل اصنافِ سخن لکھیں گئی ہیں:

۱۔ مشرقی پاکستان میں اردو (ص ۵۱-۵۲) سفر پاکستان کے دوران چند سال قبل جناب شام ہارک یو کے نے پڑھ کر اقبال عظیم سے انہما ہوا کہ، اسے میں استغفار کیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ پاکستان چلتے وقت بیاضیں ان کے مانگوں کو دے گئے تھے۔ ۲۔ ماضی (ص ۵۲)

جن کی تفصیل یہ ہے: (۱) پانچ نعتیں غزلیں (۲) دو نعتیں سلام (۳) ایک نعتیں ستر اور (۴) ایک نعتیں قطعہ
خواجہ عبدالغفار اختر کی نعت گوئی کا جائزہ اسی پس منظر میں لینا ہوگا جس دور سے ان کا
تعلق تھا یعنی انیسویں صدی کی تقریباً تیسری چوتھی صدی "اختر کی نعتوں میں بیان کی صفائی اور سادگی
ہے لیکن دل کشی نہیں، اسی طرح زبان عام فہم ہے لیکن لفظوں سے پاک نہیں۔ اس میں بعض جگہ فعل
لازم اور فعل مقتدی اور تکریر و تائید کی طرف توجہ نہیں دی گئی ہے بعض جگہ مصرعے یا توراواں نہیں
یا ناموزوں ہو گئے اور ایک جگہ قافیہ ناغیب بھی ہے۔ قدیم نظم کتابت کی وجہ سے بکے معروف و
یائے محو ہوں بکے محمد زبیر محفوظ میں کوئی امتیاز نہیں رہا گیا ہے اور دو لفظوں کو ایک ساتھ ملا کر
لکھا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل "مظلوم اختر" کی تدوین و ترتیب کے حاشیے سے آئندہ صفحہ
میں واضح ہو جائے گی۔ لیکن یہاں اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ کسی اور شخص (حکیم
حبیب الرحمن مرحوم) یا اخیر دماغ نے جا بجا کلام پر نظر ثانی کی ہے جیسا کہ اس قلمی نسخے کی تحریر
سے ظاہر ہے۔ اختر نے نعتیں جوڑی، و بڑی دونوں محروں میں کہی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ
انہیں مختلف جگہوں میں شعر کہنے پر تدریج تھی۔ جہاں تک میر کی تعلیمات کا تعلق ہے اختر کے
بنگالی معاصرین میں خان بہادر صدر الصدور مولوی وجہ اللہ صاحب چانگانی کے نعتیہ اشعار
کا ایک مجموعہ "الغور العظیم فی مولد النبی الکریم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد مولوی حمان
علی طیش نے "گلزار نعت" کے نام سے اپنی نعتیں غزلوں اور قصیدوں کا مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا
میر ان ذاتی خیال ہے کہ آخری عمر میں ترک دنیا کے باعث نعت گوئی کو وسیلہ مغفرت جان کر اختر نے
اتنی اور اچھی خاصی تعداد میں نعتیں کہیں کہ مجموعہ مرتب ہو گیا۔ اب "مظلوم اختر" مکمل صورت میں
درج کیا جاتا ہے۔ البتہ کم خوردہ مقامات کی خادہ بری تاجدار مکان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
یہاں اس امر کا اظہار بھی باعث مسرت ہوگا کہ حسن اتفاقاً اختر کی تصویر بھی دست یاب ہو گئی

لے ڈاکٹر محمد صدر الحق نے اپنی کتاب "نسخ نقاشات" میں اسے نثر کی کتاب بنایا ہے جو درست نہیں۔

منظومہ اختر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسم پاک خدا نے عز و جل سب سے اول کہ سب سے پہلے اول
منہر جملگی شیون و صفات کذا بخدا ہے وہی خدا کی ذات
وحدہ لا شریک پس ہے اس کے مانند ہی نہیں کوئی شے
ابتداء انتہا سے وہ باہر ہے اپنی قدرت کا آپ وہ مہر
کوئی اس کا نہیں ہوا انباز نہ کوئی ہے شریک و محرم راز
وحدت اس کی بیاں میں آئے ہم اس جا پہ بار پا نہ سکے
مسئلہ یہ وجوب د ا مکاں کا سوچنا و سو سوسہ ہے شیطان کا
علم کا زور وہ دکھاتے ہیں جو حدود قدم مسلاتے ہیں
لاکھ (اشبات) کہ کوئی کھوٹے عکس شے عین سے کہاں ہوٹے
یاں تو کچھ عکس سے بھی کام نہیں جنبش لب کا یہ مقام نہیں
دعایاں میں لاؤ اس لطافت کو سوچ کچھ اپنی بھی کثافت کو
جمع ضدین بولو کیوں کر ہو خلق خالق کا کیوں کہ ہمسر ہو
صوفیوں کے کلام کو نہ کہو سمجھو تا صر سمجھ کو در در ہو
اس کی تاویل ہے بہت مشکل علم ظاہر سے وہ نہ ہو حاصل
اور از روئی مسلم ظاہر بھی روکشی ان کی ہو نہیں سکتی
صاف دل ان کا مثل ائینہ ساری دنیا سے یاں حلا کینہ
نہ تافہ درست نہیں، شے صحیح: کی شے صحیح: کے شے صحیح: روئے

عکس انگن زبان حقیقتِ حال
 تم کو یاں حکمِ شرع خوابِ خیال
 شرحِ طرزِ معاشِ دنیا ہے
 کردہ واصل براہِ علقسی ہے
 ہے حصولِ معاد میں یہ دلیل
 حکم (حق) میں نہیں ہے قال و قیل
 داخلِ شرع میں فروع و اصول
 روش اس کی طریقِ قرب و حصول
 طے ہی اس راہ کی طریقت ہے
 پھر کھلے آگے جو حقیقت ہے
 راہ میں منزلیں ہیں دور و دراز
 منزلوں کا جدا جدا ہے رنگ
 جن میں ہیں ساز و برگ (ناز و نیاز)
 جو کہ پہنچے ہیں بس دجھانتے ہیں
 چلنے والوں کا بھی نرالا دھنگ
 و جدید ہے خودی جب آتی ہے
 کیا وہ سمجھیں جو خاک چھانتے ہیں
 برتنے ہیں زبان حال سے وہ
 روح دل میں نہیں سماتی ہے
 مے وحدت کا نشہ ہے وہ رسا
 کام کہتے نہیں ہیں قال سے وہ
 دین و دنیا کو دیتا ہے جو بے سلا
 یادِ حق میں وہ تجھو ہیں دن رات
 دین و دنیا کو دیتا ہے جو بے سلا
 تب ہر اوست لالتے ہیں لب پر
 خارج اس سے میں اور کئی سرا
 بود العجب کار چاہے عشق میں بہر
 عشق نے کر دیا جسے مجبور
 جن کو بھولی ہے دہ جہاں کی تبا
 ہم کو وہ حال جب نہیں حاصل
 یاں ازب و ان شہود الفت شرط
 تم نہ سہرِ رشتہ مقبال کرو
 دیکھو سب اس کے علم و قدرت کو
 کہ وہ دل میں یقین زبان سے کہو
 قیدِ احکام سے ہیں وہ آزاد
 پھر نہ کہیں یہ ان سے بس بالکل
 یاں پر کثرت و ہاں سے وحدت شرط
 چاہئے قال حسبِ حال کرو
 کہ وہ دل میں یقین زبان سے کہو

مبدعِ آفرینش عالم
 آتش و آب و خاک باد و فلک
 قلم و لوح اور جہاں و نبات
 بخم و خور، مابہ سب اسی سے بنے
 نورِ اقدس نے جب دکھایا ظہور
 جھلکی گردن کس سر بلند کا ہے
 ناز دیکھا، نیاز سے بولا
 حمدِ خالق بیان کرنے لگا
 نظرِ لطف کا ہوا منظور
 بحرِ اکرام جو شش میں آیا
 بارگاہِ اللہ کیا جواب ملا
 واہ قدرت کی کار پر دازی
 سبقتِ رحمتِ خدا دیکھو
 کہ کیا اس کو مقتدا سب کا
 جس (سے) ہے زجہاں کو رنگ و جود
 جہدِ بوالبشر میں تھا ہی نور
 تنہی اسی نور کی وہ شانِ نمود
 ہی منشور کن کلبے عنوان
 حلیم عینِ یقین کا اسخر کار
 ظلالِ اصلی کا خاص ہے یہ مقام
 چپ بواختر کہ ہے بجائے ادب
 لہ یہ صبحِ قمرِ نظر ہے۔

حق نے اس کو کیا بلطف و کرم
 عرش و کرسی و جنت و افس و ملک
 علوی و سفلی کے یہ مخلوقات
 قہر کو تازہ سب اس کے سے بنے
 وہیں مجدے کو وہ ہوا مامور
 عاجزی کی کہ اور جہندی ہے
 دفترِ شکرِ مرحمت کنولا
 صفتِ عز و شان کرنے لگا
 سرِ باطن کھلا ہوا مسرور
 اہرِ رحمتِ خردش میں آیا
 پہلے لولا کہ کا خطاب ملا
 آفرینش میں کی خوش آغوازی
 کیسی بندوں پر شے عطا دیکھو
 پیش رو سب کا پیشوا سب کا
 کیا جس کو مسلا لکوں نے سجود
 تب ملکِ مجدے کو ہوئے مامور
 جس سے ابلیس ہو گیا مطرود
 اس سے روشن ہے خاندانِ ایمان
 اسی منزل پر ہے مقام و مدار
 اسی جا عقل و ہوش (گم) ہیں تمام
 سرِ باطن کھلا ہے تجھ پر کعب ۶

بس زیادہ رنج و غم میں آؤ لب کر دیندہ ہوش میں آؤ
 گنت گنت اکو جو نبیؐ نے کہا راز اس کو خواص ہی پر کھلا
 خاص باتوں میں دخل عام نہیں ہوا داسی، یہ وہ کام نہیں
 کچھ سمجھ کر قلم کو ہاتھ میں لے جہل پر اپنے بھی نظر کر لے
 حد سے زیادہ دلس نکال قدم پھر اس دای سے عنانِ قلم
 خود فروشا خود نمائی ہے کہ ترے دل میں کیا سمائی ہے
 نہیں مقصود جب کہ شہرت نام تجھ سے ناداں کو بس ہے اتنا کام
 صدق دل سے خدا کو کرے مجھ و ہو سکے جتنا پرؐ نبیؐ پر درود
 اس سے افزوں ہوس ہو کر دل میں چھپڑ تو ایسا ذکر محفل میں
 جس میں ہوئے بیانِ نعتِ رسولؐ گفتگو ہو مخلق کو مقبول
 اک روایت نئی مستاسب کو شرفِ احمدی دکھا سب کو
 حاضرین محفلِ قدس وہ روایت ہو جس سے دل کو انس
 جس میں کچھ سازش و غلو ہی نہیں جس میں کچھ جائے گفتگو ہی نہیں
 جو کہ ثابت ہے نعتِ قرآن سے یمن رکعت ہے جو کہ ایمان سے
 فورِ رخشاں سرمدی دیکھو شرفِ شانِ احمدی دیکھو
 ہیں رسولِ خداؐ سبھی حق ہیں فرقِ عہدے کا تو کسی میں نہیں
 برتھیل میں فرقِ بین ہے فرق بعض کو ہے جو بعض پر تفضیل
 کلام اللہ منہم آیا ہے اس کی تِلْكَ الرَّسُولُ بس ہے دلیل
 بعد اس کے بعد عروجِ صفات پارے یوں ایک کا بڑھایا ہے
 خالقِ انس و جان سنانا ہے رَفِيعُ الدِّعْبَعْنَمِ درجہ سات
 ملہ کر خوردہ رَفِيعُ عَرْوَتَانِ دکھاتا ہے
 ملہ کر خوردہ اصل: حسی تلخ: ہووے

کہیں کسی کی طرف اشارہ ہے کون آتا خدا کا پیارا ہے
 رَفَعَ اللہُ بَعْضَهُمْ کی ضمیر کس کی دکھلا رہا ہے یاں توقیر
 گر سمجھ ہے تو اس کو جانو سب حق ہے یہ حق ہے اس کو مانو سب
 رزق ہے خاص اور اخص کا یاں ہیں کلیم و حبیب کے ہی (نبیؑ) یاں
 طور پر ان کو دل کا کام ملا منزلِ نوریاں مقامِ سلا
 خاک کا فرش ان کا پا انداز ان سے بالائے عرشِ ناز و نیاز
 نئی ترائی وہاں جواب آیا یاں دلوں قرب کا خطاب آیا
 قابِ قوسین سے جو کم تر ہو دوستو تم وہ وصل غور کرو
 دیکھئے اور اس سے بھی بڑھ کر سندِ فضیل شافعِ محشر
 سورۃ قدس آلِ عسراں میں کیا بیاں ہے فضیلتِ ثار میں
 گر شرف میں نہ تھے محمد طاق کیوں ہو اہلِ کس لئے میثاق
 وہ شہادتِ وہ قول وہ اقرار حق سے نبیوں کا تہادہ کیا اسرار
 جس کو کچھ علم کا اثر ہی نہیں اصل سے فرشتے خبر ہی نہیں
 نعمتِ فہم سے جو ہو محروم کیا وہ سمجھے سرا پرِ مسکوم
 دخلِ ہوش و خرد کی نقل ہے کیا علم ہی جب نہیں تو عقل ہے کیا
 علم جس جاد کھائے اپنا زور عقل بھاگے وہاں سے جیسے چور
 علم پر سب امور کل ہے مدار عقل بے علم سو قی ہے بے کار
 اس میں اختر بہت ہے طولِ کلام بس فانِ کیت کلک کو تھام
 بھر سنا اک روایتِ صادق بہ دلیلِ کلامِ حق ، ناطق
 کچھ بیانِ فضیلتِ حضرت شانِ محبوبیت برصد شوکت

سننے والوں کو کہہ کے سمجھائے جلود نور حق کو دکھلائے
 یہ جو ہے اک خطابِ تامکین پُر فضیلت سے اور شرفِ قرین
 رب سے حضرت کو از رہِ عزت عالمیں کے لئے ہے تو رحمت
 غورِ دل میں کرو خدا کے لئے کمِ فضیلت ہے مصطفیٰ کے لئے
 یعنی جتنے ہوئے نبی و ولی ہیں بود نمود تھی سب کی
 رہے پوشیدہ یا ہوئے ظاہر کوئی عالم سے تو نہ تھا باہر
 کوئی خارج ہے اس سے ہاں بولے منکرِ فضلِ منہ ذرا کھو لو
 کس کی اُمت ہو یہ تو بتلاؤ سمجھے حضرت کو یہ (تو) سمجھاؤ
 کہو ہے یا نہیں یہ قرآن میں گزر مانہ خصل ہے ایمان میں
 اور بھی ہیں روایتیں ایسی جس سے ثابت ہے (شان) حضرت کی
 نہیں منظور یا ہے طولِ کلام کہ فوائت کا ہے مسائلِ انجام
 اس لئے بس یہ قصہ ختم کیا کلفتِ سامعینِ زذوقے کیا
 اے خدا کر کلام (م) میرا قبول پُطفیلِ رسول و آلِ رسول
 سننے والوں کو رہنمائی کر رحمت و لطفِ کبیر یابی کر

اختر اب باز آ کلام سے تو

ہو سعادتِ طلبِ سلاک سے تو

السلام اے مہرِ برجِ برتری
 السلام اے رحمتِ ربِّ رحیم
 السلام اے حکمِ کُن کی ابتدا
 السلام اے ذاتِ تیری انتخاب
 السلام اے خسر و نازِ انبیاء
 السلام اے نورِ پاکِ حقِ نما
 السلام اے مطلعِ خلق و وجود
 السلام اے نازِ ششِ لوح و قلم
 ہو گیا اے عیال میں حالِ دلِ تباہ
 مرنے نہیں اس کا جو کچھ (میں) کہہ سکوں
 طاعتوں سے عاری اور جاری خطا
 آپ کو روزِ شفاعت زارِ ہم (کلا)
 کس سے جزِ حضرت کر دیں عرضِ حال
 کچھ نہیں حاصل ہو اگر از زیاں
 اب بھی خواہش یہی ہے التجا
 بیٹے سے مطلب نہ حاجت باپ سے
 یہ تمہارے، نہیں ہے آرزو
 زارِ نالی کچھ میسر قبول
 صلہ ہائے بیگسی کب تک سہوں
 دور کچھ دل سے میرے رنجِ یاس
 السلام اے ماہِ ادبِ سروری
 السلام اے صاحبِ خلقِ عظیم
 السلام اے فضلِ رب کی انتہا
 السلام اے باتِ تیری لاجواب
 السلام اے برگِ دمازِ اولیاء
 دستِ قدرت سے قمر کے شقِ نما
 السلام اے مقطعِ اخلاق و وجود
 اخترِ دلِ خستہ پر چشمِ کرم
 رحم اے دونوں جہاں کے بادشاہ
 طاقت اس کی بھی نہیں جو چپ ہوں
 ہوں میں از سرِ تابہ پاساری خطا
 چارہ گر ہیں آپ اور بیمارِ ہم
 کہہ لوں کس کے آگے میں دستِ ہوال
 خوب دیکھی دہر کی نہیں رنگیاں
 عاقبت کو اے مرے فرمانروا
 مغفرتِ حق سے شفاعت آپ سے
 حق یہ فرماتے خود لا تقنطوا
 آپ کی اُمت ہوا آخر لے رسول
 تا کجا ناکام ہو چہ حسرتِ رہوں
 آپ کی اُمت ہوں جاؤں کس کے پاس

اے صحیح: مطلعِ خلق و وجود صحیح: دیکھیں تہ زارِ نالی کچھ میرا قبول

یا نبی اب آں اقدس کے طفیل میری بخشائش کی جانب کیجے میل
 بہر اصحابِ رضا جو حق طلب کیجئے میری حمایت پیشِ رب
 جنبش لب ہو دعا کے واسطے رحم بندے پر خدا کے واسطے
 مشت خاکِ ناتواں ہو جائے پاک تاجکے بارگنہ سے دردناک
 آپ کی اُمت عقوبت میں رہے ظلم و جور نفسِ امّارہ سے
 نعمتِ لطف و کرم سے کیجئے سیر غلصی میں بندے کی کیا اتنی دیر
 عرضِ حال اپنا کیا اختر نے بس اک نگاہ مہر اے فسرِ یادِ برس
 دل کو رحمتِ جان کو آرام ہو ایسی حسرت میں جو حاصلِ کام ہو
 بس خموشِ اختر یہ کیا طوں کلام کچھ مجھ دل میں اب کا پے مقام

تیرے دل کی ہو چکی حاصلِ مراد
 پڑھ درودِ پاک کہ خاطر کو شاد

مستزاد

سلامی..... خوشتر بہ روح پاکتِ پیغمبر
 شفیع المذنبین، خیر البشر، گمراہوں کے رہبر
 امام المرسلین خیر البشر (اے) سرورِ عالم
 شفیع اُمتِ عاصی، حبیبِ خالقِ اکبر
 درود ان کے روانِ پاک پر ہو تو بہ تو ہر دم
 نقبِ جن کا ہے ختم المرسلین و شفیعِ محشر
 کہاں یہ جو صلہ لکھوں جو نعت اس شاد دین کی مسین
 ہر اک مخلوق سے رتبے میں ہے بس افضل و برتر
 جنابِ احمدِ رسل
 جنابِ احمدِ رسل
 بحکمِ حجتِ نزل
 جنابِ احمدِ رسل
 ملکہ جی گناہ سے
 جنابِ احمدِ رسل
 خدا ملاحِ جی کا
 جنابِ احمدِ رسل

مراتبید، مرا کعبہ، مرا پادی، مرا مرشد
 مرا سلطان، مرا مالک، مرا سید، مرا سرور
 صلوة و صمد سلام اس پر اور اس کی آل پر پہنچا
 جو ہے محبوب تیرا خالص، سب سے خوب اور بہتر
 نہ کہ تو خوفِ محشر کچھ، قوی رکھ دل کو ہاں اپنے
 شفاعت عاقبت تیری کریں گے حضرت اے اختر
 خدا کا خاص پیغمبر
 جناب احمد مرسل
 خدا کا فضل و رحمت
 جناب احمد مرسل

غزل

لے بھی فرقت تری جس کو ستائے کیا کرے
 اچھے ہر دم شوق میں آنسو بہائے کیا کرے
 حال دل لب پودہ لائے یا نہ لائے کیا کرے
 وہ ادائے پاک جس کے جفا کو بھلے کیا کرے
 نالہ و آہ و فغان گریہ و شور و بکا
 دست کس جس کو نہ ہو چھوئے کا دہ دامان کہ
 گر نہ ہر نہ وہ گریہاں کے اڑ لے کیا کرے
 حال جس عاشق کا ہوئے عشقِ حضرت میں برا
 وہ بھلا دل کو کہاں اپنے دگائے کیا کرے
 بلبِ ثوریدہ گلزارِ عشقِ مصطفیٰ
 روضہ اقدس میں گر بلے نہ پائے کیا کرے
 ضبطِ رازِ عشق ہے عتاق کے حق میں ضرور
 پھر جو آنسو آپ سے آنکھوں میں آئے کیا کرے
 بسملِ تیغِ نگاہِ نازِ چشمِ دل فسریب
 تڑپے اچھے لوٹے غلوں میں بھی گولے کیا کرے
 اشتیاقِ دید میں تو حالتِ اختر ہے غیر
 دیکھنے گر اس مہانور کو پائے کیا کرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من کلام بلاغت نظام جناب خواجہ عبدالغفار ضامنہ قلعہ

اے خدائے بندہ پرورد مستگیر ہیکساں
تو ہی تعالیٰ تو ہی مالک تو ہی رحمان اور رحیم
خود و غلمان و ملک سب تیری قدرت سے بنے
پھر کروڑوں رنگ کی خلقت کہ پس لک کا حساب
(ایک) لفظ کن سے تو نے سب کئے میں آشکار
حکیم حکمت سے ترے اصفاد باہم متفق
تو نے جو جابا کیا مجھ جابا ہے کرتا ہے
چارہ سارا عاصیان و دردمند خستہ جہاں
تو ہی ہے پروردگار وحش و طیر و انس و جان
حکم سے پیدا ہوئے تیرے زمین و آسمان
ہو نہیں سکتا کسی ناطق سے ہی مطلق بیباں
پر وہ حکمت میں کیا صنعت نہیں تیری نہاں
قدر قدرت سے متعلق ہے ترے کثافت آسمان
اور جو چاہے کرے کالے خدائے دو جہاں

قطع

تو وہ اول ہے رہنمائی ابتدا کو تیری عقل
تو ہی تو ہے دو جہاں میں کیجئے جس جان نظر
شرح حمد پاک حضرت کیا ہوا اختر سے بھلا
کون ہے تیرے سوا اس عالم الغیب لے خدا
جس قدر گھلے سب ہے جہل و نادانی مری
دل طلسم حیرت و حسرت ہے میرا کیا کروں
بندہ عاصی کی اپنے کر خدا یا مغفرت
آستانے ہی پر آیا بندہ امید دار
تو وہ آخر ہے ناپاؤں انتہا و ہم و گماں
کوئی شے تجھ سے نہیں خالی کوئی جہاں مکان
یہ دہان و لب کہاں حمد و ثنا تیری کہاں
حال سب کے ظاہر و باطن کا ہے تجھ پر عیاں
اور جو کہتا ہوں پشیمانی کا ہے اپنی بیباں
کھول دے سب عقدے اس کے خداوند جہاں
چھوڑ کر دیکھ تو تیرے بندہ کہاں جائے کہاں؟
مت پھر محروم اسی کو لے پناہ بے کساں

لے صحیح : کروڑوں

صدقِ دل سے جو دعا کرتا ہے اگر اس کو قبول
 حاضرینِ محفلِ میلادِ احمد کو ملام
 خاصِ لطف و رحم سے لے جبرمِ بخش عاصیاں
 سائے میں اپنے کرم کے رکھو با اسن و اماں
 صدقے سے تیری خدائی کے خدایا درو شیب
 باقی مجلس کو رکھو برائے ہر دم شادماں
 سب مرادیں اس لحاصل ہوں اترا نفاک
 شامل حال اس کے ہوئے خیر و خوبی ہر زماں
 میرے مالک کو جس کا نام ہے عبد الغنی
 عمر و جاہ و دولت اقبال سے رکھ تو اماں
 اس کی سب اولاد کو اس کے عزیزوں کو خدا
 تو سلامت و تاقیات رکھو با صد عز و شان

اپنی رحمت سے تو پھر اس اخترِ ناچیز کو
 کبھی دو دنوں جہاں میں یا الہی شادماں
 تمام شد

شبِ معراج ختم المرسلین ہے
 شرف میں برجِ خاکی کا ہے کوکب
 طلوعِ آفتابِ دارو دیں ہے
 عروجِ کاملِ مبادِ زمیں ہے
 قمر ہے آج مہر و مشتری کا
 فروغِ اخترِ نورِ یقین ہے
 قدمِ گاہِ رسولِ پاک ہے آج
 عروجِ پایۂ عرشِ بریں ہے
 نشانِ اس کا ہے تمامِ ہر عرش
 جو عرشِ خاک کا منہ نہیں ہے
 دماغِ آسمان پر ہے زمیں کا
 کہ (طینت) مایۂ سلطانِ دیں ہے
 فرشتے مزدہ دینے کو ہیں آئے
 پیامِ وصلِ ربِّ العالمین ہے
 زمیں یاں نور سے معمور ہے بکھر
 دماں آرائشِ عرشِ بریں ہے
 کھلا فردوسِ اعلیٰ پر ہر اک در
 بے شوق آمدِ سلطانِ دیں ہے
 بایں بندِیِ خلدِ بریں سب
 لے رضواں گردہ تا بعلیں ہے
 بہشتی جامِ شربت نے کھڑے ہیں
 رواں (نور) میں شیرِ انگلیں ہے
 تمناے پرستاری میں حاضر
 کھڑی ہر سمت اس جاوید عین ہے

غلامی کو ادب سے مانتے باندھے کہیں توجہ ملک، غلمان کہیں ہے
 کہیں مشتاق دیدار محمد صفِ ارواح جملہ مرسلین ہے
 قدم احمد مرسل کا مشتاق نہیں ایسا کوئی جو داں نہیں ہے
 عجب اک شور ہے سب میں کہ آتا حبیب پاک رب العالمین ہے
 جلی ہے کس تحمل سے سواری بیاں جس کا کہ ہو سکتا نہیں ہے
 ملا لگ طر قوا گویاں جلو میں تفادات کوئی تو کوئی قریب ہے
 چلا ہے غاشیہ بکڑے سراخیل ہلا تا مور حیل فرخ الامین ہے
 ملک ہر آسمان کا کھولے در کو کھر انقش ارادت بر حبیب ہے
 طبق داں نور کا ہر قدم پر نثار فرق پاک شاہ دید ہے
 اس آئین سے غرض تا سدرہ پہنچے جو جائے باس جبریل امین ہے
 رہے پھر بھیجے جو جو ساتھ تھے سب چلا آگے امام المرسلین ہے
 گیا ایسے مکاں پر رفتہ رفتہ مکاں کا کچھ نشان جس جا نہیں ہے
 محمد اس جگہ پہنچا کہ جس جا فضلے قرب رب العالمین ہے
 نہ ہے داں زیر و بالا پس و پیش نہ اس جا قیاس و وہم کو کچھ
 حواس و ہوش سب بیکار یکسر معطل داں یہ عقل دور تھا ہے
 خطاب آیا خدا سے میرے محبوب بڑھوا گئے کوئی حائل نہیں ہے
 قریب آؤ قریب آؤ کہ تمیرا بہت مشتاق رب العالمین ہے
 تو میرا نور ہے، آ مجھ سے مل جا تا مل کیا تجھے لے مر جبین ہے
 گیا آغوش رحمت میں وہ آخر جو پیدائش کا نور اولیس ہے
 مدارج طے ہوئے عین الیقین کے حصول ربہ حق الیقین ہے

ہوا گم بحر وحدت میں وہ قطرہ
 ہوا احمد احد ایسا ہوا وصل
 عجب رحمت سے فرمانے لگا تب
 کہ ماں تو مانگ لے پیائے نبی اب
 جو تو جا ہے گامہ سے وہ ملے گا
 ملا موقع تو حضرت نے کیا عرض
 ہماری ساری اُمت ہوئے مغفور
 اگر یہ وہ گناہوں میں گرفتار
 انہیں رسوا ذکرنا روزِ محشر
 مرا ہر آن اُمت کے لئے دل
 یہ کہہ رو کر گئے سجدے میں حضرت
 کہا تب حق نے تجھ کو لے محمد
 ترے باعث کیا ایجاد عالم
 نہ ہی خلقت ہی لے نور الہی
 یہ عرش و کرسی و لوح و قلم سب
 اگر امت تری عاصی ہے غم کیا
 عنایت الہی جب میری تجھ پر
 تری اُمت پہ ہوگی ایسی بخشش
 عطاۃ خاص ہوگی حسبِ بخشش
 بہ مژدہ گوشت کردنی کی جانب
 خوشی سے خندہ زیر لب نہایاں

کہ جوں عکس آئینے میں جاگزین ہے
 دہنی کو واں نظر میں جا نہیں ہے
 خدا جو خالق جاں آفرین ہے
 جو کچھ مطبوع طبع نازین ہے
 تری خواہش اجابت سے قریب ہے
 کہ خواہش بس یہ رب العالمین ہے
 سوا اس کے تو حسرت کچھ نہیں ہے
 الہی تو! تو خیر الراحمین ہے
 جو اُمت میں گردہ مذ نہیں ہے
 سر اسیم ہے مضطر ہے حزیں ہے

 بنایا رحمت اللعالمین ہے
 ترے ہی واسطے دنیا دیا ہے
 اس میں خلقتِ جبرخ و ذر میں ہے
 تری خاطر بنا لے شاہِ دیر ہے
 لقب تیرا شفیق المذنبین ہے
 تو پھر کس واسطے اندوگین ہے
 جو دھم دھم سے افروز (تری) ہے
 رضا جو! تیرا رب العالمین ہے
 پھر ازل خوش! نبی پاک دیں ہے (کذا)
 زباں پر شکر حق ازل میں یقین ہے

لے کر خود ہے سہ بھیج: پیکر

سماں دیدار کا آنکھوں میں چھایا
جھکتا نورِ رحمت سے جیسے ہے
رکھی کج سر پر دستارِ شفاعت
چھٹی عارض پر زلفِ عنبریں ہے
سرور امت کی بخشش کا دل میں
لبوں پر حمد رب العالمیں ہے
نبی اللہ نے وہ ہم کو بھیجا
جو نوح المرسلین، سالارِ دین ہے
خدا قرآن میں فرماتا ہے اس کو
کہ تو ہی رحمت اللعالمین ہے
یہ عالم جبکہ ہو رحمت کا اس کی
تو پھر امت کو کیا غم ہم نشین ہے
سپاس حق کر و سب اس خوشی میں
کہ وہ غم خوار اپنا ہے، معین ہے
زہجو لو حکم کو اس کے کبھی تم
جو اک دم ہی تمہیں بھولا نہیں ہے
طفیل اس کے سنو پھر عاقبت کو
خدا کی ہم بخشش بالیقین ہے
بس اختر وقتِ عرض حال ہے
کہ ساعتِ معاد اور غنیمتِ قرب ہے
یہ ہے وقتِ نزولِ رحمت حق
یہ منگام سرورِ شاہِ دین ہے
وہ مطلعِ نعت میں اب پڑھ کر جس میں
شنائے خاصِ ختم المرسلین ہے

غزل

محمد رحمت اللعالمین ہے
محمد ہی شفیع المذنبین ہے
براہیم و مسیح و نوح و موسیٰ
کوئی رتبہ میں بس ایسا نہیں ہے
ہے دارا اس کے دروازے کا دریاں
جم اس حضرت کا ادنیٰ خوشہ جیسے ہے
نہ ہو خاتم رسالت کا وہ کیونکر
یہ مہر اس کی ہے، بس تیب نکلیں ہے
دکھائی اس نے ہم کو راہِ ایمان
عجب روشن چراغِ کلّیخ دیں ہے
مدد یا مصطفیٰ بیکس ہو بیکس
کوئی غم خوارِ عاصی کا نہیں ہے
ہے دل قطرہ خوں تلے، مجھے کیا
بہرِ وسالے نبی پاک دیں ہے
وہ وقت ہے کسی ہے اللہ اللہ
کہ کوئی مونس و ہمد ہم نہیں ہے

حمایت کا ہوں میں حضرت خواہاں کہ دشمن سخت شیطان لعین ہے
 مری تائید اس دم کیجئے آپ یہ عرض (اختر) ازار و حسیں ہے
 تمام شد

قطعہ

محفل میلاد حضرت آج ہے سب کے دل میں تازہ فرحت آج ہے
 پھر وہی عہدِ شہدائے قلب پھر (پھر وہی) دورِ مسرت آج ہے
 ہو گیا پھر جلوہ گر لطفِ خدا پھر وہی حق کی عنایت آج ہے
 ہیں سلا لنگ سائے سرگرمِ طرب جوش میں خالق کی رحمت آج ہے
 جا بجا ہیں جمع خیلِ قدسیاں یاں بہارِ باغِ جنت آج ہے
 اُمتِ احمد کے دل میں ہر نفس کار سازی ہائے عشرت آج ہے
 آؤ اس جاے گروہِ مسلمین روزِ تحویلِ سعادت آج ہے
 داخل محفل ہو یاں باعداد جس کے دل میں شوقِ خدمت آج ہے
 مانگِ خالق سے دعا پڑھ کر درود (دوستو) وقتِ اجابت آج ہے
 حاضر ہیں محفلِ میلاد پر سایہ گسترِ لطفِ حضرت آج ہے

اخترِ عاصی بھی یاں با صلہ (امید)

داخلِ بہترمِ سعادت آج ہے

غزل

یا نبی کینک رہوں محضوں لقا کے واسطے خدمت میں ہندے کو خدا کے واسطے
 میرا لکھوں ہر جگہ میں نعت دیدار سے جب اٹھیں دست مبارک وہ دعا کے واسطے
 اے سراپا رحمت (تو) مغفرت (میں) دیر کیا حضرت عیسیٰ کی رحمت، وہ دعا کے واسطے
 چشمِ اقدس کا جو ہے بیمار وہ (خود) بند کیا حضرت لب تشہ عرصہ مدعا کے واسطے
 حضرت عالی ہے وہ سرچشمہ رحمت جہاں کیوں پھر میں سرکشہ ہم نفل ہمارے واسطے
 سائر حق تم تمہارا سایہ ہے امت کو بس چاہیے کیا اور بازار جسزاکے واسطے
 (اے) چلا ہوں اس جہاں سے (میں) سودا نبی اور پھر حضرت ساملیٰ التجا کے واسطے
 ہے بہت افزوں گندے میرے الطافِ خدا ہے دعا میری فقط اس مدعا کے واسطے
 تجھ سے حق کو چاہتا ہوں حق سے تجھ کو یا نبی آپ کی امت میں کہلا کر خطا کے واسطے
 حیف ہے تیرے گرفتارِ عقوبت یہ قلام آلِ پاک و چار یارِ باصفاء کے واسطے
 یا نبی نیچے خبر مردم مری (تا) درِ حشر

سلام

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
 یا حبیب سلام علیک صلوات اللہ علیک
 تم جو سید تم جو سرور تم شفیع روزِ محشر
 تم ہی ختم المرسلین ہو تم حبیب پاکِ داور
 یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک

یا حبیب سلام علیک	صلوٰۃ اللہ علیک
تم جو حاضریٰ تم محمدؐ	تم جو حاضریٰ تم محمدؐ
تم وہ (محب) ذوالنہد ہو	خود کہے ہے رب اکبر
یا نبی سلام علیک	یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک	صلوٰۃ اللہ علیک
تم ہو قابل سب دعا کے	تم ہو لا (لق) سب ثمن کے
شان و رتبہ بارک اللہ	سب (۱) فضل سب برتر
یا نبی سلام علیک	یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک	صلوٰۃ اللہ علیک
تم سے دین حق میں (یا یا)	تم پر ایمان میں لے لایا
تم وہ خاص الخاص رب ہو	بے کموں کے یار و یاور
یا نبی سلام علیک	یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک	صلوٰۃ اللہ علیک
پاؤ لغزش میں سراسر	بار عصاں سے حال ابتر
دستگیری میر (ی) کیجیے	ہے یہ حضرت میں عرض اختر

کلام غالب کے ہنگام تراجم

عبد حاضر میں غالب اور اقبال دونوں شاعروں پر بہت کام ہوا ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہوئے ہیں غالب کا تعارف ہنگال میں انیسویں صدی عیسوی کے اوائل ہی سے ہوا۔ اور جب وہ کلکتہ گئے تو اہل ہنگال میں ان کی شخصیت اور کلام سے واقفیت میں اور بھی اضافہ ہوا۔ موافقین اور مخالفین کے دو گروپ ہو گئے یہی نہیں ہنگال میں ان کے معقدوں کے علاوہ ان کے شاگرد بھی پائے جاتے ہیں تشکیل پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان میں اقبال کے ہنگام تراجم اکثر و بیشتر ہوئے اور کتابی صورت میں شائع کئے گئے۔ اس طرح اقبال کی مقبولیت خاص عام ہر طبقے میں ہوئی۔ غالب کا کلام نہ صرف اقبال کے مقابلے میں بلکہ ویسے بھی مشکل ہے بظاہر اسی لئے اس کے تراجم عہد پاکستان اور اس کے بعد کم ہوئے۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی امتیازی صورت نہیں برقی گئی۔ یعنی غالب کے کلام کے ہنگام تراجمے ہند اور مسلمان دونوں ادیوں اور مشاہدوں نے کئے ان میں کچھ مضمون کی صورت میں اور کچھ کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہوئے، ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ ہنگالی اہل قلم کے منشور و منظوم تراجم کے ساتھ ساتھ غالب کے حالات زندگی اور کلام پر نقیصیں بھی لکھی گئی ہیں اور ان کے فلسفیانہ خیالات اور عمیق جذبہ بات بحث بھی لکھے، اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تفہیم غالب کے سلسلے

میں ہنگامی ادیب، اردو اہل قلم کے قریب ہیں۔ اس نے کلام غالب کے ہنگامہ تراجم کے ساتھ ساتھ غالب کے ہنگامی مترجمین کے خیالات کا خلاصہ بھی پیش کرنا ہی مانا ہوگا۔

سب سے پہلے میں رشید فاروقی کا تذکرہ کرتا ہوں جنہوں نے ہنگامہ تراجم ”ماہ نو“ مطبوعہ دھاکہ اگست ۱۹۷۷ء میں ”اردو ادب اور ٹیلنٹ“ کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا اور غالب کی زندگی اور شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بتایا کہ غالب ایک ذہین شاعر تھے۔ ان کی شاعری نے انہیں امر بنا دیا ہے۔ ان کے خیال میں غالب کی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دور اول : ابتدا سے ۲۵ سال کی عمر تک اس عہد کی شاعری میں جذبات و احساسات زیادہ ہیں۔ دیوان غالب سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ غالب کے جذبات میں اس دور کی شاعری میں فارسی زبان کا اثر زیادہ ہے کیونکہ اس زمانے میں فارسی کا اس قدر چرچا تھا کہ غالب کیا کوئی بھی شاعر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا فارسی الفاظ و محاورات کا اتنا غلبہ تھا کہ اردو بالکل فارسی آمیز ہو گئی تھی۔

دوسرے دور میں فارسی کا اثر پہلے دور کے مقابلے میں کم ہو جاتا ہے۔ اس عہد کی زبان اور طرز بیان آسان اور سلیس ہو گیا تھا اور علم و ادب پر قابض نہیں تھا۔ تیسرے دور میں غالب کی زبان اور اسلوب بیان اتنا بہتر ہو گیا تھا کہ غالب کو اول درجے کا شاعر سمجھا جانے لگا تھا۔

غالب کے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے بہت سے فارسی اور عربی کے مشکل الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ طرز عمل ان کی صلاحیت سے بالاتر نہ تھا، غالب جس طرح سوچتے تھے، اسی طرح مفکرانہ انداز میں شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن ان کے اشعار تشریحی ہونے کے بجائے تخلیقی ہوتے تھے۔ ان کی شاعری میں فلسفہ ہے، انہوں نے کبھی عام انداز میں یا مختصر جملے پر زندگی کا جائزہ لینے کی کوشش نہ کی۔

جہاں تک انسانیت اور اس کی عظمت کا تعلق ہے تو وہ انسان کو دل سے پسند کرتے
تھے۔ رشید فاروقی کے بنگلہ تراجم اب پیش کئے جاتے ہیں۔ انہیں سماعت فرماتے وقت
اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اصل مفہوم سے کس قدر قریب ہیں۔ زبان بہت سیدھی
سادہ استعمال کی گئی ہے۔ اور انداز بیان میں سادگی ہے۔ جسے ہندی سمجھنے والا
بلا تکلف آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(۱) میں اور بھی دنیا میں سمجھ رہی ہوں اپنے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

اردو	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی
ترتیب	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل
۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱

(۲) رنج کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

مشکلیں اتنی بڑی ہیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

اردو	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی
ترتیب	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل
۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱

اردو	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی
ترتیب	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل
۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱

(۳) ہوں گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج

میں غنڈلیپ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

اردو	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی
ترتیب	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل
۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱

(۴) ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار

یا الہی یہ ماسجد اکیا ہے

اردو	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی	فارسی	انگریزی
ترتیب	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل	آرٹیکل
۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱

(۵۱) میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

اردو	فارسی	عربی	انگریزی	فارسی	فارسی	فارسی
میں	من	من	mine	کاش	کاش	کاش
پوچھو	پوچھو	پوچھو	ask	مدعا	مدعا	مدعا

(۶) عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا

درد کی دوا پائی، درد بے دوا پائی

اردو	فارسی	عربی	انگریزی	فارسی	فارسی	فارسی
عشق	عشق	عشق	love	طبیعت	طبیعت	طبیعت
زیست	زیست	زیست	life	مزہ	مزہ	مزہ

(۷) آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد

مجھ سے مرے گز کا حساب اے خدا دا مانگ

اردو	فارسی	عربی	انگریزی	فارسی	فارسی	فارسی
آتا ہے	آتا ہے	آتا ہے	comes	داغ	داغ	داغ
حسرت	حسرت	حسرت	regret	دل	دل	دل

اردو	فارسی	عربی	انگریزی	فارسی	فارسی	فارسی
شمار	شمار	شمار	number	یاد	یاد	یاد
مجھ سے	مجھ سے	مجھ سے	from me	مرے	مرے	مرے

چھٹے شعر کے پہلے مصرعے میں مترجم نے "طبیعت" کا ترجمہ درست نہیں کیا۔ اس کا مقابلہ آئی جے ڈی ان کشیدہ کیا ہے جس سے صحیح مفہوم دوا نہیں ہوتا اسی طرح پانچویں شعر کے پہلے مصرعے میں زبان کا ترجمہ ہو سکا۔ منہ کھلا ہوا رکھنے سے زبان کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔

دوسری شخصیت ابو سعید ایوب کی ہے جنہوں نے غزلیات غالب کا انتخاب تعارفی اور تنقیدی مقدمے کے ساتھ کتابی صورت میں ڈی پی بلیٹنگ، کلکتہ سے جنوری ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ جناب ابو سعید کی ماہاری زبان اردو ہے لیکن ہنگل زبان میں انہوں نے مزید ذرا اتنی مستگاہ حاصل کر لی کہ سرزمینِ ہنگل میں فلسفہ اور رنگ اور خصوصاً

تینگو پر رہنمائی کی حیثیت رکھتے ہیں غالب کی طرف ان کی توجہ یقیناً ایک نال لبیک ہے۔ کیونکہ عام نیرنگی طبقہ اور بائیں بازو کے ادیب ان کے ترجمہ کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہوئے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ غالب کے منتخب اشعار کا ترجمہ ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے انتخاب کرنے کا ارادہ تھا، لیکن غزل میں یہ کام مشکل ہے کیونکہ شاعر کے مختلف جھانٹ و میلانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اشعار کو ایک ہی لڑی میں پرانا دشوار ہے غزل جاپانی یا سیکورے ملتے جلتے ہوتی ہے، لیکن اس سے طویل غزل میں کہے کہ الفاظ کے وسیلے سے شاعر اپنے خیالات و احساسات کو بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ فنی خوبی کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ انہوں نے لفظی ترجمہ سے احتراز کیا ہے تاکہ اصل مطلب واضح ہو سکے۔ مترجم اگر قادر الکلام شاعر ہو تو شعر کا ترجمہ بہتر طور پر کر سکتا ہے، ہاں اس میں شک نہیں کہ منظوم ترجمہ کو اصل مفہوم سے قریب تر لانے میں دشواری ہوتی ہے۔

بہرحال مشہور ترجمہ میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ کہانی کو اردو شعر کی دل کشی اور شاعری کی روح سے روشناس کیا جائے تاکہ غالب کے نمونہ فنی اور شاعرانہ اہمیت کا اندازہ لگ سکے۔ ابوسعید الایوب نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ بعض جگہ غالب کی مخصوص ترکیبوں اور دلکش استعاروں کے متبادل جگہ الفاظ نہ ملنے کے باعث انہیں آزاد ترجمہ کرنا پڑا ہے۔ تاکہ شاعر کے شعری احساسات جذبات اور نازک خیالات کو قاری کے ذہن تک صحیح طور پر منتقل کیا جاسکے، غالب اردو کے مشکل گوشاویں انہوں نے بعض ایسے اشعار کہے ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے لیکن بہت سارے آسان شعر بھی کہے ہیں، بعض ایسے اشعار کہے ہیں جن کا مفہوم سمجھ میں نہ ہوا پر زور دینا پڑتا ہے۔ لیکن غالب کے پر سکواہ الفاظ اور دلکش انداز پر اسے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ غالب کی شاعری ان کی شخصیت کے ارد گرد گھومتی ہے۔ یعنی اپنے شخصی رنج و غم کا اظہار اپنی شاعری میں کرتے ہیں جسے ناقابل اعتنا نہیں

کچھ اجا سکتا غائب نے جہاں اپنے غم و الم کا تذکرہ کیلئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کا غم ان کے شعریں جھلکتا نظر آتا ہے:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میری دل میں ہے

نقادوں کا خیال ہے کہ اردو میں دو ہی بڑے شاعر گزریے ہیں، ایک غالب

دوسرے اقبال دونوں کا نقطہ نظر اور انداز فکر اگرچہ مختلف ہے لیکن بعض امور میں

مماثلت ہے۔ مثلاً دونوں کا بغیر کلام فارسی میں ہے اور دونوں نے ہندیہ مضامین

فارسی ہی میں ضبط کئے ہیں۔ غالب نے ۱۶/۱۵ سال کی عمر سے اردو میں شعر گوئی

شروع کی اور ۳۰ سے ۵۰ سال کی عمر تک فارسی زبان میں شعر کہے۔ جب غالب

بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے تو انہیں سرکاری خطاب سے نوازا گیا۔ غالب

نے ابتدائی اور آخری دور میں جو شعر کہے ان کی زبان بیان اور لب و لہجہ میں خاصا

فرق ہے لیکن فارسی الفاظ کا استعمال ان کے یہاں بہ ستورجی رخا رہا اور فارسی

طرز کلام کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اب ابو سعید نوینی کے ہنگام تراجم سے شاہین پیش ہیں

(۱) ہم نے دشت کدہ بزم جہاں میں جوں شمع

شعلہ عشق کو اپنا سرو سامان سمجھا

شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ
shale	shale	shale	shale	shale	shale	shale	shale
شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ	شعلہ
shale	shale	shale	shale	shale	shale	shale	shale

(۲) یہ نشت آدمی کی خدادادیرانی کو کیا کم ہے؟

جو ہے تو روز ست حسن کے دشمن اس کا آسمان کیو مجور؟

یہ	یہ	یہ	یہ	یہ	یہ	یہ	یہ
ye	ye	ye	ye	ye	ye	ye	ye
یہ	یہ	یہ	یہ	یہ	یہ	یہ	یہ
ye	ye	ye	ye	ye	ye	ye	ye

فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir

(۳) خوشی کیا کیفیت پر میرے اگر سو جا رہا ہوں آئے
مجھ سے ہوں کہ ڈھونڈ ہے ابھی سے برق خرم کو

فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir

فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir

(۴) ہم کہاں کے دانے تھے، کس ہنرمیں بخت تھے
بے سبب ہوا غالب، دشمن آسمان ایسا

فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir

فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir

(۵) بے داد عشق سے نہیں ڈرتا سگر اسد

جس دل پر ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir

فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی	فارسی	عربی
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir
میر	mir	میر	mir	میر	mir	میر	mir

(۶) وہ فران اور وہ مہال کہاں

وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

no	500	mla	on	50000	50000
no	500	mla	on	50000	50000
no	500	mla	on	50000	50000
no	500	mla	on	50000	50000

کلام غالب کے میرے مترجم جناب منیر الدین یوسف ہیں جن کا خالودہ خالص ہے لیکن ان کے یہاں ابتداء سے اردو پڑھنے بولنے اور لکھنے کا چلن تھا ان کے چچا جناب محمود العربی عبدیقی خالودہنگالی کے نام سے نقاد (آگرہ) میں غریب اور نقائص کھاکرتے تھے اور نظام شاہ دہلی سے ان کے مخلصانہ اردو متانہ تعلقات تھے گویا اس طرح انہیں اردو ورثے میں ملی، انگریزی کے علاوہ اردو، ہنگال اور فارسی سیکھاں۔ کہتے تھے انہوں نے ہنگال زبان میں تاریخ ادب اردو ۱۹۶۸ء میں مرتب کر کے ہنگال کیڈمی سے شائع کرائی اور غالب کی بی بی سی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ دیوان غالب کے نام سے کیا۔ جسے اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۸۰ء میرے پیش نظر ہے۔

وہ غالب کی شاعری پر اہل ہندیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غالب، میر انور سوادہ کی شاعرانہ روایت میں انقلاب برپا کیا۔ ان کا تعلق کلاسیکی عہد شاعری سے تھا لیکن ان کی طبیعت میں جدت طرازی تھی۔ ان کی وفات پر ایک صدی گزر جانے کے بعد ان کی شاعرانہ عظمت برقرار ہے۔ ان کے اپنے ظلم میں انہیں ہی عہد کے مسلم تمدن اور معاشرے کی بد حالی کی عکاسی گئی ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے ایک طرف مٹی ہوئی تہذیب کا نظارہ کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ان کا کلام اپنے دور کی تصویر بھی ہے اور مستقبل کی بشارت بھی۔ اس لئے غالب کے دور کو اردو شاعری کا فشاہانہ کہنا مناسب نہ ہوگا۔ ہنگال میں غالب کے معاصر مدعو سونے تھے لیکن انہوں نے طویل نظیں کھلی ہیں۔ اس لئے ان دونوں میں کوئی قدر

غالب کے فکر و فن کا تجزیہ

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے ؟
کوئی استاد کبم ہستلا میں گیا ؟

غالب کون اور کیا تھے ؟ اس امرہ جائزہ لینے کے لئے اساتذہ فرما دیے
کہ پہلے غالب کی شخصیت کا جائزہ لے، اس کے بعد شخصیت کے نیسے پر ان کے فکر و فن
کے حدود و خال کو واضح کرنے کی کوشش کرے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر میں دو خاص کار فرما
ہوتے ہیں۔ ایک مزاج اور دوسرا ذہن۔ غالب مزاج کے لقب سے خود اور خود پسند تھے۔
اور فکری لحاظ سے ہم شریا سے ہم آغوش و ہم کنار۔ غالب نے مسلم معاشرے کے عروج و
ارتقا کی داستانیں اپنے کالوند سے سنیں اور انگریزوں کے تہق و تسلط کی عبرت ناک
تباہ کاریاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اچھے دن ہی دیکھے اور برے دن بھی سہے۔ لیکن
ان کے شعری سران اور فہری زبان میں کوئی فرق نہ آیا۔ فقر و فاقہ میں فخر محسوس کیا۔
اور بے نیاز و بے نیاز کو اپنا کردار جانا۔ انہیں خاندانی برتری کا احساس تھا۔ ان
کی خود بینی و خود پسندی سے نہ نے کے آگے انہیں سر تسلیم خم کرنے سے بچا لیا۔ ان کے
نزدیک خود بینی سمجھیت کا وہ عنصر ہے جو ہند کی اور غلامی میں بھی انسانوں کو آزاد رکھ
سکتا ہے۔ اور امیری و گرفتاری کی گنداسے اپنے دام میں نہیں لاسکتی۔ غالب کی

شخصیت کا یہ جلوہ ان کے شعر میں بہ تمام درگاہ جلوہ گر ہے کہتے ہیں

زندگی میں مجھ وہ آزادہ ذوق میں ہے کہ ہم : اُنہی پھر آئے وہ کعبہ اگر وہ نہ ہوا

آغا : شاعری میں غالب نے ظہوری در تبدیل کی تقلید کی اور اس کے زیر اثر

اپنے کلام میں وہ آزادہ ذوق شہادت اور نئی نیا ترکیبات استعمال کیں۔ غالب شہر خود داری

ساحل اور صبح رنگا۔ جیسے ترکیبات استعمال ان کی قوت اختراع کی اچھی مثالیں ہیں

ان کی انانیت اور خود پسندی کی یہ کارہی ہے : شہادت کہ رہی۔ اس کے بعد غالب کی

اور ذوق شاعری میں یہ تبدیلیاں تسلیم کرنا پڑیں گی۔ کیونکہ خود انہیں تبدیل

کی مشکل پسندی جو خود آج بھی قیامت بھی نظریں جس کا اعتراف اس شعر میں

کیا ہے سے ظہور تبدیل میں ہے کہتے ہیں : اس قدر خفاں قیامت ہے

لیکن یہ تفصیل در عمل ان کی شخصیت کے منافی ہے۔ جو اپنے روایت پرستی

سے شادیت کی اور جدت پسند کو اپنا شیخ نظر قرار دیتے ہیں۔ ان میں خودی جگر سے

رنگ آمیزی کی اور اسے فکر کی بلند سیاحت کیا۔ ان کے انداز فکر ایک قسم فن کی تلاش کی

ان کے اسلوب بیان اور ذوق شاعری کو ایک نیا لب بھی عطا کیا۔ شہادت در

استعدادات نے ان کے زندگی کی رقی بخشی۔ یہ شعر در حلقہ جو جس میں غالب محبوب

کے جلوہ سیمائی کی تعریف کھا اس طرح کرتے ہیں کہ آئینے بھی اس کے سامنے ذرا ڈالے

ناک کا طرح پر انشاں ہونے لگتے ہیں۔

یہ کس ناہید کا تمثال کہ ہے جلوہ سیمائی

کہ مثل ذرہ ہی خاک آئینہ پر انشاں

جہاں شاہ ظفر کے ذہن میں ذوق کی درباری مقبولیت و اہمیت کے پیش

نظر ان کے کلام سے غالب بھی متاثر ہوئے۔ لیکن ذوق کے مقابلے میں وہ مقلد کلام کو

مقلد کلام اور حسن شاعری نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک شعر کا عفت اس کی لطافت

اور کیفیت میں مضمونِ قدیمہ "خطوطِ غالب" میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"شاعری معنی آفرینی ہے" "فانیہ میلانی نہیں"

اس معنی آفرینی اور تخلیقی قوت کی ایک مثال ذیل کے شعر میں بہت واضح طور

پر ملتی ہے، غالب فرماتے ہیں :-

فروغِ شعلہِ خس یک نفس ہے : ہوس کو پاس ناموس و فاکیا

شاعر نے عشق و ہوس اور پائنداری و ناپائنداری کا تقابلی مطالعہ کس

بلاغت و لطافت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ "ہوس" کو "فروغِ شعلہِ خس" سے تعبیر

کرنا جو ایک لمحے میں نیکوں کی طرح بھڑک کر بجھ جاتی ہے، لیکن دیرپا ثبات نہیں ہوتی۔ ناموس

وفا داری کے خلاف سمجھا، عین ثباتِ عشق کے مطابق ہے۔ عشق کی پائنداری تو دراصل

وفا سے عبارت ہے۔ اسی موضوع پر غالب کا دوسرا شعر پیش کیا جاتا ہے جس میں شاعر

نے وفاداری کو صحیح معنوں میں ایمان و یقین قرار دیا ہے اور اسی شرط کے ساتھ ساتھ مسلم

غیر مسلم کا امتیاز تک باقی نہ رکھا، کہتے ہیں :-

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایمان ہے

مرے بھانے میں تو کیجئے میں گاؤں برہمن کو

غالب کے فن کی انفرادیت اور فکر کی عظمت سے انکار، اردو شاعری کی عظمت

اور انفرادیت سے انکار کے مترادف ہے۔ ان کی زبان کی دلکشی، طرزِ ادا کی سحر آفرینی، خیال

کی برجستگی، فارسی ترکیب اور اردو محاورے کا بر محل استعمال ملاحظہ ہو :-

دیکھ تو دلِ فوجی اندازِ نقشِ پا :- موجِ خسرام یا رہی کیا گل کتر گئی

غالب نے فکر و فن کی دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے

اس سے پہلے اردو شاعری کا دامن احساسات و جذبات سے معمور تھا لیکن اس میں

فکر و نظر کی وہ بلندی نہ تھی جو اسے غالب نے عطا کی۔ میر نے اردو شاعری کو سپردگی و

دار فنگی بخشی اور غالب نے مجھ کو دی خود داری، میر نے اسے سادگی و سلاست سے آشنا کیا۔ اور غالب وقت پسندی و جدت پسندی سے، میر دل کی دنیا میں موقوف تھے۔ ان کا فن ان کی آپ بیتی سے عبارت ہے۔ لیکن غالب نے دل کی دنیا سے نکل کر وسعتِ آفاق کا مطالعہ کیا اور اس کا ثمرات رنگ و بو کی داستان کو فکر و نظر کے قالب میں پیش کیا۔ غالب صرف ایک شاعر نہیں اپنے عہد کے ترجمان بھی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے نتیجے کے طور پر اند کے کلام میں دہلی کے معاشرے کی زوال آلودہ جھلک اور سماجی انحطاط کا احساس بہت نمایاں ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں جو خود زبانِ حال سے اپنے ماحول کی ابتری و بد حالی کی کہانی کہہ رہے ہیں۔

لوئے گل 'نالہ دل' و درِ حصارِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خاموش ہے

اُردو شاعری اشعارِ غزل کا محبوب موضوعِ عشق ہے۔ غالب نے روایتی عشق و محبت کے معیار سے بلند ہو کر غزل میں اجتہادی نشان پیدا کی، اس میں تصویر پرستی کے بجائے حقیقت پسندی کو رواج دیا۔ عاشق کو بیچارگی کی جگہ خود داری اور سوانی کے بجائے وضع داری کے اصول پر کاربند کیا۔ وہ محبوب کی خوشنودی کے لئے اپنی طبیعت کا سودا نہیں کرتے۔ وہ عشق بھی کرتے ہیں اور عزتِ نفس کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان کے نزدیک عشق میں فریاد کرنا باعثِ رسوائی ہے کیونکہ جب دل مایوس ہو تو میں نہیں تو لبِ کشتا کشتہ قائم ہے، فرماتے ہیں۔

کسی کو دس کے دل کوئی دیکھ نغانِ لب و ہونہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو بھر میں زبان کیوں ہو

ان کے خملکدہ عشق میں سو دردوں، آتش سیال کی طرح موج زن ہے۔ ان کے خیال کی روحانی محراب کے تصور کا عطیہ ہے۔ حریت موبائی کی طرح ان کی شاعری جمالیاتی پہلو کی زمین منت نہیں۔ وہ محبوب کے حسن جمال سے لطف اندوز ہوتے ہیں، لیکن جہاں تک شاعری کا تعلق ہے اس میں جلال کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ شیوہ عاشقی سے وہ بخوبی واقف ہیں اور عشق میں آہ و زاری سے بھی مبرا نہیں۔ لیکن اپنی جدت پسند طبیعت اور طرز بیان کی انفرادیت سے کام لے کر عشق میں شکوہ بیدار کے بجائے تقاضے جفا کے لئے "نالہ و فریاد" کو "حسن طلب سے تعبیر کرتے ہیں۔

نالہ جز حسن طلب ہے ستم ایجا رہیں

ہے تقاضے جفا شکوہ بیدار نہیں

غالب اپنے فارسی کلام کو "نقش ماے رنگ رنگ" کا ایک حسین و عطر بیز گلدستہ سمجھتے ہیں اور اس پر انہیں فخر و ناز بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے فارسی کلام کی مقدار جہاں اردو کلام کی بد نسبت پانچ گھنٹی زیادہ ہے۔ وہاں لطیف احصا مات اور بلاغت تخلیلات کے باعث اردو کے مقابلے میں فارسی کلام کہیں زیادہ ممتاز اور اعلیٰ معیار و افکار کا حامل ہے۔ اس کے برعکس غالب اپنی اردو شاعری کو بے رنگ و درخشاں جانتے ہیں، لیکن اسے زمانے کی ستم ظریفی کہئے یا ان کے کلام کی طرف کار کی کہ غالب کو جو شہرت ان کے اردو کلام کی بنا پر نصیب ہوئی وہ فارسی کلام کی بدولت میسر نہ ہو سکی۔ اس کا سبب بہت واضح ہے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کی وجہ سے فارسی زبان کی پہلی سہی قدر و منزلت باقی نہ تھی اس لئے غالب کی فارسی شاعری کی اہمیت و عظمت کی بنا پر ان کی سرپرستی کو نہ کرنا جبکہ فارسی نامک کی زبان تھی نہ قوم کی۔ غالب کی عدم شہرت کا ایک سبب آپ اسے بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ان کی شاعری کی مقبولیت کا اندازہ لگانا کے لئے ثبوت کے طور پر اس امر کا تذکرہ عجب نہ ہو گا کہ خود غالب کی زندگی میں ان کے فارسی

کلام کی اشاعت صرف دوبارہ اور دو کلام کی اشاعت پانچ بار ہوئی۔

غالب نے فکر و خیال اور زاویہ نظر کے کیسے کیسے جادو جگائے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ اسی وقت لگا سکتے ہیں جب ان کے گلستانِ شعر و سخن کی سیر کریں۔ اور دل و نگاہ کو ربوبیتِ فکر، نظر دیں۔ ”بادِ بہاری“ کو ”آئینہ“ کہنا اور چمن کے سرسبز و نشاطِ پودوں کو ”زنگار“ سے تعبیر کرنا غالب کے تخلیقی ذہن کا کمال نہیں تو اور کیا ہے ”کشفِ لطف“ اور ”لطفِ کشف“ دونوں ایک دوسرے کے اثبات کے لئے لازمی جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلوہ افرونی کا مشاہدہ و منظر ہر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک لطافت اور کشفیت دونوں یکجا نہ ہوں۔ ایک کو امتیازی حیثیت بخشنے کے لئے دوسرے کی موجودگی ضروری ہے جس طرح دن کے بغیر رات کا تصور ناممکن ہے۔ مادی اور غیر مادی اشیاء کے تصور سے غالب نے جس حقیقت کا انکشاف کیا ہے وہ جدید سائنسی نقطہ نظر کے عین مطابق ہے، فرماتے ہیں۔

لطفِ کشف لطفِ کشف جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا

غالب کے خیال کی زنگار نگہی صرف ان کی شاعرانہ فن کاری تک محدود نہیں بلکہ وہ فکر کی راہ سے فلسفہ و تصوف کی دنیا میں داخل ہو گئے ہیں اور یہاں بھی اپنی جذبِ طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ عقیدہ وحدت الوجود کے متعلق فلسفہ و شعر کے امتزاج سے ذہن کے شعر میں کیا لطیف اہام پیدا کئے ہیں مگر اس کے دوش بہ دوش خدا کی وحدانیت کا اعتراف بھی اس میں موجود ہے۔ کہتے ہیں۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

دُبو یا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

حالی نے غالب کو ”حیوانِ ظریف“ کہا ہے۔ ان کا یہ خیال کس قدر حقیقت سے انس ہے کہ غالب کی نظم ہو یا نثر ہر جگہ ان کی ظرافت کے متنوع گلے بولنے نظر آتے ہیں۔

اور ان کے طنز و مزاح کی چاشنی لطف دے جاتی ہے۔ غالب کے کلام میں اس کی مثالیں
بآسانی مل جاتی ہیں۔ واعظ پر طنز کا یہ پہلو ملاحظہ ہو۔

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نیکلے

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔ غالب نے مے نوشی و بادہ خواری سے اپنے دامن کو
کچھ اس طرح آلودہ کر لیا کہ مسائل تصوف کے بیان کے باوجود زہد و تقویٰ کی ولایت کے
دائرے میں داخل نہ ہو سکے۔ خود فرماتے ہیں کہ

یہ مسائل تصوف، یہ ترا بیان غالب
بجھ ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہو سنا

یہ تھا غالب کے فکر و فن کا مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا۔ غالب کی عظمت جاوداں
اور ان کی مقبولیت لازوال! ان کا کلام ان کی شخصیت کا ترجمان ہے اور ان کی شخصیت
ان کے فکر و فن کی عکاس !



- نام: محمد کلیم (کلیم سہسراجی)
- پیدائش: ۱۲ جنوری ۱۹۳۶ء
- جائے پیدائش: سہسراج، ضلع رہتاس، بہار (ہندوستان)
- تعلیم: بی۔ اے (آنرز)، ایم۔ اے (اردو)
- : ایم۔ اے (فارسی)، ڈھاکہ یونیورسٹی
- : ڈی۔ لٹ (تہران یونیورسٹی)
- ڈپلوما: قدیم فارسی، اوستا، پہلوی (تہران)
- پیشہ: پروفیسر شعبہ السنہ (راجشاہی یونیورسٹی)
- صدر شعبہ: (۱۹۷۶ - ۱۹۷۹ء)
- (۱۹۸۲ - ۱۹۸۵ء)
- اعزاز: (۱) صدر پاکستان (انعام خصوصی) ۱۹۵۹ء
- (۲) صدر پاکستان (یارکازاقبال طلحائی تمغہ) ۱۹۷۷ء
- ادبی سفر: ایران، پاکستان اور ہندوستان کے علمی و ادبی
سیمیناروں میں شرکت۔
- تصانیف (مطبوعات): (۱) بیمار بلبل (۲) روایت و درایت
- (۳) بنگال میں غالب شناسی
- زیر طبع: اردو کے بنگالی شعراء، (۲) ازبغان بنگا
- (۳) بنگال میں اسلامی تصوف (۴) مطالعہ و محاسن
- ۱۱) فرہنگ طلحائی (انگریزی)، ۱۲) مخدوم فارسی، بنگلہ
- (فارسی) (۷) شعری مجموعہ۔
- زیر ترتیب: ۱۱) دبستان شاد (۲) ادب و احتساب
- (۳) گنجینہ دانش (۴) تذکرۃ المعاصرين
- پستا: ڈپلو۔ ۷۷/۱، یونیورسٹی کمپس، رہتاسی (بنگلہ دیش)